اکتوبر-دسمبر ۲۰۱۷

ISSN: 2321-8339

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

موجودہ حالات میں اسلام کی رہ نمائی

سید جلال الدین عمری

پکتھال کے ترجمۂ قرآن پر ایک نظر

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

برصغیر ہند میں علم حدیث کے ابتدائی نقوش

محترمہ ثناناز

مصادر سیرت میں 'زاد المعاد' کا مرتبہ

ڈاکٹر سید عبدالباری

علامہ ابن تیمیہ کا منہج اصلاح وتجدید

ڈاکٹر محمود احمد

مباحث نہی فقہاء ومتکلمین کی کتب اصول میں

جناب انوار حسین

تعارف وتبصرہ

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

شب و روز (ڈائری) عام اور ڈیلکس ایڈیشن

• ایک صفحہ پر قرآنی آیات واحادیث رسولؐ، انبیائے کرام، صحابہ عظام اور بزرگان سلف کے اقوال، شعرائے کے تعمیری اور فکر انگیز اشعار • شروع و آخر کے ۳۵ صفحات پر اہم و دل چسپ معلومات • مسنون دعائیں • خطبات جمعہ و نکاح، قربانی، عقیقے، نماز جنازہ اور استخارے کی ماثورات • نقشہ اوقات نماز • اہم سفارت خانے • جماعت اسلامی ہند کے حلقے و صوبائی دفاتر • ہر ماہ کا Index اور Planner • لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے مسلم ممبران کے علاوہ بہت ساری دوسری معلومات سے مزین ایک دل چسپ و مفید ڈائری۔

صفحات: ۴۰۶، نفیس کاغذ، مضبوط ریکسین کور، کور پر ربن لگا ہوا ڈیلکس بائنڈنگ۔

اسلامی ڈائری پاکٹ سائز

• ہر صفحہ پر قرآنی آیات، احادیث رسولؐ، بزرگوں کے اقوال اور چند شعرا کے تعمیری و فکر انگیز اشعار سے مزین
• ۲۵ صفحات پر مشتمل اہم اور ضروری معلومات • کل صفحات: ۴۰۸، نفیس اور عمدہ کاغذ۔

کیلنڈر

• ہر صفحہ پر مختلف آیات، بہترین طباعت
• ہر صفحہ پر آیات کا دلکش طغرے
• اردو، ہندی اور انگریزی تراجم کے ساتھ ایک دیدہ زیب کیلنڈر
• 15X20 سائز، طباعت، طغرے، مسجد اور ہر مہینے کی تاریخیں نمایاں حروف میں۔

نوٹ

• ... ادارے ... ۲۰۱۷ تک ... تفصیلات لازماً ارسال فرمادیں۔
... تعداد ... 100 ... 1000 ... آئے۔

سب ڈپو سے رابطہ کریں

بنگلور : 080-26701306
حیدرآباد : 040-66710339
ممبئی : 09890421345
گوا : 09822163132

ملنے کے پتے

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی | MMI PUBLISHERS

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-1100..

Phone: 26981652, 269... Mob: 9971837957, 9579048971, 98911...

E-mail: mmipublishers@gmail.com | Website: www.mmipublishers.net

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۷ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ — ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۶ شمارہ: ۴

محرم ـــــــــــ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

اکتوبر ـــــــــــ دسمبر ۲۰۱۷ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کردیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09720357820،09897746586
ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۴۰ روپے
سالانہ	۱۵۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۶۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں واداارے)	۲۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی) ۲۰/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے) ۲۵/امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی) ۲۵/امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے) ۳۰/امریکی ڈالر

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپواکر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

موجودہ حالات میں اسلام کی رہ نمائی	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق وتنقید

پکتھال کے ترجمۂ قرآن پر ایک نظر	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی	۱۳
برصغیر ہند میں علم حدیث کے ابتدائی نقوش	محترمہ ثناناز	۲۳
مصادر سیرت میں 'زاد المعاد' کا مرتبہ	ڈاکٹر سید عبدالباری	۴۱

بحث ونظر

علامہ ابن تیمیہ کا منہج اصلاح وتجدید	ڈاکٹر محمود احمد	۵۷
مباحثِ 'نہی' ۔فقہاء ومتکلمین کی کتبِ اصول میں	جناب انوار حسین	۹۳

تعارف وتبصرہ

جہاد اور روحِ جہاد	محمد رضی الاسلام ندوی	۱۰۳
نقوش سیرت نبویؐ	جناب محمد اسعد فلاحی	۱۰۹
خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۶۵)	ادارہ	۱۱۱
'تحقیقات اسلامی' پر تحقیق	ادارہ	۱۱۳
فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی، ۲۰۱۷ئ		۱۱۷
مضامین کا انگریزی خلاصہ		۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱— پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

ڈائریکٹر اکیڈمک اسٹاف کالج و پروفیسر شعبۂ انگریزی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

sulaim_05@yahoo.co.in

۲— محترمہ ثناناز

ریسرچ اسکالر شعبۂ دینیات (سنی)، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

snaz87@gmail.com

۳— ڈاکٹر سید عبدالباری (شبنم سبحانی)

سابق صدر ادارۂ ادب اسلامی ہند

۴ — ڈاکٹر محمود احمد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)

professorgcu@gmail.com

۵— جناب انوار حسین

لیکچرر شعبۂ علوم اسلامیہ، امپیریل یونی ورسٹی، لاہور (پاکستان)

anwaarpu@gmail.com

۶۔ محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند

mrnadvi@gmail.com

۷۔ جناب محمد اسعد فلاحی

معاون شعبۂ تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند

asadmazharfalahi@gmail.com

۸— سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

موجودہ حالات میں اسلام کی رہ نمائی

(خطبۂ عیدالاضحیٰ)

سید جلال الدین عمری

مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند ہر سال مرکز جماعت کی مسجد اشاعت اسلام میں عیدین کے خطبے دیتے ہیں، جنھیں سننے کے لیے دور ونزدیک سے بڑی تعداد میں لوگ حاضر ہوتے ہیں۔ امسال بھی نماز عیدالاضحیٰ کے موقع پر امت کو ہمت وحوصلہ سے کام لینے، اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرنے، صبر واستقامت کا ثبوت دینے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس خطبہ کی اہمیت کے پیش نظر مولانا کی نظر ثانی کے بعد اسے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ (رضی الاسلام)

محترم بزرگو، بھائیو اور عزیزو!

محترم خواتین، ماؤ، بہنو اور بیٹیو!

سب سے پہلے عید کی مبارک باد قبول فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ عید خیر خوبی اور امن وامان کے ساتھ پورے ملک میں، بلکہ پوری دنیا میں گزر جائے۔

عیدالفطر کے وقت ملک کی جو سیاسی صورت حال تھی، دو ماہ دس دن کے بعد عیدالاضحیٰ آئی ہے، لیکن ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے، بلکہ مسلمانوں اور یہاں کی اقلیتوں میں عدم تحفظ (Unsecurity) کا احساس بڑھا ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس ملک میں مسلمان پندرہ تا بیس کروڑ ہیں، لیکن ان کی اس پریشانی کو نہ حکومت محسوس کر رہی ہے نہ کوئی سیاسی جماعت۔ کسی کے بھی ایجنڈے میں مسلمانوں کے مسائل کا کہیں

ذکر نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اتنی بڑی آبادی گویا قابل ذکر ہی نہیں ہے۔ سیاسی بحثیں ہوتی ہیں، لیکن اس میں اس بڑی امت کے مسائل کا کہیں ذکر نہیں آتا۔ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں جماعت ذکر کر رہی ہے اور فلاں جماعت ذکر نہیں کر رہی ہے۔ کوئی بھی جماعت آپ کے کسی مسئلے کو اپنانے یا سیاسی سطح پر اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہے۔

حالات پوری طرح آپ کے سامنے ہیں۔ ان حالات میں بار بار یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں چند باتیں عرض کی جارہی ہیں:

۱۔ حالات سے باخبر رہیے

پہلا کام یہ ہے کہ حالات سے باخبر رہیے۔ اپنے گردوپیش کے حالات سے باخبر رہیے، ملک کے بلکہ پوری دنیا کے حالات سے واقف رہیے اور مناسب تدابیر اختیار کیجیے۔ یہ نہ ہو کہ جب کوئی واقعہ پیش آجائے تو ہم کہیں کہ ہمیں اس کی توقع نہیں تھی، ہمیں اس کا اندازہ نہیں تھا، یا ہم اس طرح نہیں سوچ رہے تھے۔ زندہ قوموں کی علامت یہ ہے کہ وہ حالات سے باخبر رہتی ہیں اور نازک سے نازک حالات میں اپنے لیے راہیں نکالتی ہیں۔ آپ اپنے عمل سے اپنی زندگی کا ثبوت پیش کیجیے۔ حالت جنگ میں قرآن کی تعلیم ہے: خُذُوا حِذْرَكُم۔ النسائ: ۷۱۔ (اپنی احتیاط رکھو)۔ یہ ہدایت ہر طرح کے نازک حالات کے لیے ہے۔

۲۔ حوصلے اور ہمت کے ساتھ رہیے

دوسری بات یہ ہے کہ حوصلے اور ہمت کے ساتھ رہیے۔ یہ نہ ہو کہ آپ گھبرا کر حوصلہ چھوڑ بیٹھیں اور آپ کا عزم یا ارادہ ڈگمگانے لگے۔ پیغمبروں کا اسوہ یہی ہے۔ وہ نازک سے نازک حالات میں بھی ہمت نہیں ہارتے۔ ہر پیغمبر کی تاریخ سے اس کا ثبوت ملے گا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر دریائے نیل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پیچھے سے فرعون کا لشکر آ گیا۔ بنی اسرائیل پر دہشت طاری ہوگئی اور کہنے لگے: إِنَّا لَمُدْرَكُون۔ الشعرائ: ۶۱۔ (اب ہم بچ نہیں سکتے) اب تو ہم پکڑے

گئے۔ سامنے دریا ہے اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے۔ اس نازک صورت حال میں حضرت موسیٰ ؑ فرماتے ہیں: كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ۔ (ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے۔ وہ مجھے راستہ دکھائے گا)۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریا پر عصا مارا تو دریا شق ہو گیا اور دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ حضرت موسیٰ ؑ اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر نکل گئے۔ فرعون نے دیکھا کہ راستہ کھلا ہے تو وہ بھی اپنی فوج کے ساتھ دریا میں اتر گیا۔ اس وقت دریا کے دونوں پاٹ مل گئے۔ حضرت موسیٰ ؑ بنی اسرائیل کے ساتھ دریا پار کر گئے اور فرعون اپنے لشکر کے ساتھ غرق ہو گیا۔ آپ نے دیکھا، کیسے نازک حالات تھے اور عزم کا یہ حال ہے کہ سامنے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ حضرت موسیٰ ؑ کہہ رہے ہیں: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ جس خدا کے بھروسے پر ہم نکلے ہیں، وہ ہمیں یوں ہی نہیں چھوڑے گا، وہ راستہ دکھائے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کے راستے میں جو لوگ نکلتے ہیں ان کے لیے اللہ راستہ نکالتا ہے۔

ایک اور مثال دیکھیے۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ ہجرت کے موقع پر غار ثور میں روپوش تھے۔ دشمن آپ کی تلاش میں غار کے قریب پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکرؓ کو تشویش ہوئی کہ یہ غار کے دہانے پر کھڑے ہیں، کہیں ہمیں دیکھ نہ لیں اور رسول اللہ ﷺ کسی ناگہانی پریشانی سے دوچار نہ ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ التوبۃ: ۴۰۔ (غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے)۔ دشمن اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہوں گے اور وہ کام یاب نہیں ہوئے۔

یہ عزم اور حوصلہ اپنے اندر پیدا کیجیے۔ اگر آپ اللہ کے دین پر قائم ہیں اور سرگرم ہیں تو یقین جانیے، اللہ کی مدد آپ کو ضرور حاصل ہوگی۔

۳۔ ناامید نہ ہوں

حالات کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں، آپ مایوس نہ ہوں۔ مایوسی کسی بھی فرد اور قوم کے لیے سمِ قاتل ہے۔ جب آدمی پر مایوسی طاری ہو جاتی ہے تو وہ خود بخود موت کی

آغوش میں پہنچ جاتا ہے۔ یہی حال قوموں کا ہے۔ کسی قوم پر اگر یاس کا عالم طاری ہو جائے تو وہ اپنی قوتِ حیات کھو بیٹھتی ہے۔ حالات سے مایوسی کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف ظاہری صورت حال اور اپنے وسائل و ذرائع کو دیکھ رہے ہیں اور اس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ موجود ہے، جس کی قدرت بے پایاں ہے۔ وہ چاہے تو بدترین حالت کو خوش گوار ماحول میں تبدیل کر سکتا ہے۔ ایک مومن کو ہمیشہ اس کی رحمت سے پر امید ہونا چاہیے۔ قرآن کہتا ہے: وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلاَّ الضَّآلُّون۔ الحجر: ۶۵۔ (بھٹکے ہوئے لوگ ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں) اللہ کے نیک بندے خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے: وَلاَتَیْ □ ئَسُوا مِن رَّوْحِ اللّهِ إِنَّهُ لاَ یَیْ □ ئَسُ مِن رَّوْحِ اللّهِ إِلاَّ الْقَوْمُ الْكَافِرُون۔ یوسف: ۸۱۔ (اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اللہ کی رحمت سے مایوس تو کافر ہی ہوتے ہیں۔)

اس کی قدرت کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ جب ہر طرف خشک سالی چھا جاتی ہے، بارش کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیتے، پیشین گوئی کرنے والے بھی مایوس ہو جاتے ہیں تو اچانک بادل اٹھتے ہیں اور زمین باران رحمت سے سیراب ہوجاتی ہے: وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَیْ □ ثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ۔ الشوریٰ: ۲۸۔ (وہی اللہ ہے جو بارش اس وقت برسانے لگتا ہے جب کہ لوگ اس سے مایوس ہو جاتے ہیں، وہ اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے۔ وہی سب کا سرپرست اور قابل تعریف ہے)

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ حالات کا رخ بدل سکتا ہے اور ہر طرف اللہ کی رحمت کے آثار ہویدا ہو سکتے ہیں۔

۴۔ صبر واستقامت کا ثبوت دیجیے

آپ صبر اور استقامت کا ثبوت دیجیے۔ آپ اپنے موقف پر جمے رہیے۔ استقامت یہ ہے کہ آپ اللہ کے دین پر ہر حال میں عمل کرتے رہیں۔ خوف اور گھبراہٹ میں دین کا دامن نہ چھوڑ بیٹھیں۔ صبر اور استقامت کام یابی کی کلید ہے۔ آپ

استقامت کا ثبوت دیں تو اللہ کی نصرت بھی حاصل ہوگی اور حالات بھی بدلیں گے۔ قرآن کہتا ہے :یٰاَیُّھَاالَّذِیْنَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُون۔ آل عمران: ۲۰۰۔(اے ایمان والو! صبر کرو اور ثبات قدمی میں دوسروں سے بازی لے جاؤ۔ آپس میں جڑے رہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ کام یاب ہوجاؤ گے۔)

تمھارا جن سے مقابلہ ہے اور جو تمہارے حریف ہیں وہ اپنے موقف پر جمے ہوئے ہیں۔ تمہیں چاہیے کہ ان سے زیادہ پا مردی دکھاؤ اور ان سے زیادہ استقامت کا ثبوت پیش کرو۔ اگر لوگ باطل پر جمے ہوئے ہیں تو کیا دین حق پر ایمان رکھنے والے نہیں جم سکتے؟ آپ کا اپنے مقصد پر جمار ہنا اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ آپ عزم اور ہمت کے ساتھ اعلان کیجیے کہ یہ اللہ کا دین ہے۔ اس پر ہم مرتے دم تک قائم رہیں گے۔ پھر دیکھیے کہ اللہ کی رحمت آتی ہے یا نہیں۔

۵۔ جذباتیت سے بچیے

صبر کا ایک پہلو یہ ہے کہ آدمی جذباتیت اور اشتعال سے بچے۔ ہماری ایک کم زوری یہ ہے کہ ہم بہت جلد مشتعل اور بے قابو ہوجاتے ہیں۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی کیفیت ہم پر چھا جاتی ہے۔ اس کیفیت میں آدمی بسا اوقات ایسے اقدامات کر گزرتا ہے، جس کے نتائج اس کے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی سخت نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ کبھی مخالف کی طرف سے بھی اشتعال دلانے اور برانگیختہ کرنے کی کوشش ہوتی ہے، تاکہ آپ کوئی غلط قدم اٹھائیں اور انھیں اس کا جواب دینے کا موقع مل جائے اور ہم اپنی جذباتیت کی وجہ سے یہ موقع فراہم کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید نے صبر سے کام لینے اور جذباتیت سے دامن بچانے کا حکم دیا ہے :وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُولُونَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْراً جَمِیْلا۔ المزمل: ۱۰۔(جو باتیں لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ)

مطلب یہ ہے کہ مخاطب کی بدزبانی اور بے ہودگی اور اشتعال انگیزی کو صبر

وسکون کے ساتھ برداشت کیجیے اور اسے اس طرح نظر انداز کیجیے جس طرح ایک شریف آدمی کسی بداخلاق اور بدتمیز شخص کو نظر انداز کرتا ہے اور معاملہ اللہ کے حوالے کیجیے۔ اس سے مخالف اپنے ہدف میں ناکام ہو جائے گا اور آپ کی اخلاقی برتری ثابت ہوگی۔

۶۔ اتحاد کا ثبوت دیجیے اور اپنے اختلافات کو ختم کیجیے

اس ملک میں ہم بیس کروڑ کے قریب ہیں۔ جب اس کا ذکر آتا ہے تو سننے والے حیرت کے ساتھ سنتے ہیں۔ تمام عرب ممالک کی آبادی اس کی ایک چوتھائی نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا بھی غلط نہیں ہوگا کہ ہم بیس ٹکڑیوں میں، بلکہ سیکڑوں ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ تمارا وزن اتحاد میں ہے۔ اگر تمہارا اتحاد باقی نہیں رہے گا تو تم ختم ہو جاؤ گے۔ جن مسائل پر ہم لڑ رہے ہیں، نہ دین میں ان کی بڑی اہمیت ہے اور نہ وہ دنیا ہی میں ہماری فلاح وترقی کا ذریعہ ہیں۔ ہم سب کا اتفاق ہے کہ پانچ وقت کی نماز فرض ہے، بیش تر تفصیلات میں بھی اتفاق ہے۔ نماز کے ادا کرنے کے طریقے ہی میں کسی قدر اختلاف ہے۔ نماز اس طرح نہیں اس طرح ادا کی جائے۔ کیا کوئی عالم یا فقیہ کہتا ہے کہ میں نے جس طرح نماز پڑھی ہے، اس سے نماز ادا نہیں ہوئی، اس نماز کو دہرانا چاہیے۔ کوئی بھی ہرگز ایسا نہیں کہے گا۔ پھر بھی ہم لڑ رہے ہیں۔ اسی نوع کے اور بھی مسائل ہیں۔ قرآن کی ہدایت ہے کہ اتحاد کی بنیاد صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہونی چاہیے۔ اللہ کا حکم آ گیا، سر اطاعت خم کر دیا۔ اللہ کے رسول کی بات آ گئی، اپنے اختیار سے دست بردار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔ الانفال: ۴۶۔ (اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو، آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو، کم زور پڑ جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔)

اللہ کی قسم، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے قرآن آج بول رہا ہے۔ دنیا کی آبادی کا

پانچواں حصہ، بلکہ اس سے زیادہ ہونے کے باوجود آپ کا کوئی وزن محسوس نہیں کیا جا رہا ہے۔ آپ کے پچپن چھپن ممالک ہیں، بے پناہ وسائل اپنے پاس رکھتے ہیں، لیکن ان کا کوئی وزن نہیں ہے۔ کوئی ان سے کسی عالمی مسئلہ میں پوچھتا تک نہیں ہے۔ ہر کوئی انھیں Dictate کر رہا ہے۔ قرآن نے بے وزنی کو دور کرنے کا یہ راستہ بتایا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو۔ یہی ہماری بے وزنی دور کرنے کا واحد طریقہ ہے۔

۷۔ اسلام کی تعلیمات کو عام کیجیے

اس ملک میں اور پوری دنیا میں آپ کے بہت سے مسائل اس لیے بھی ہیں کہ لوگوں نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک دشمن اور حریف قوم کا مذہب ہے۔ نہ انھوں نے اسلام کو صحیح طریقے سے سمجھا اور نہ ہم نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ اسلام کی تعلیمات میں تمہاری بھلائی ہے، تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اگر اسے پیش کر رہے ہیں تو اس سے ہماری کوئی مادی منفعت وابستہ نہیں ہے۔ اللہ کے پیغمبر اسی بے غرضی کے ساتھ دنیا کے سامنے اللہ کا دین پیش کرتے ہیں: وَمَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ الشعرائ: ۱۰۹۔ (میں کوئی اجر تم سے نہیں چاہتا، بے لوث ہو کر محض تمہارے فائدے کی خاطر بات رکھ رہا ہوں۔ میرا اجر تو مجھے اللہ تعالیٰ عطا کرے گا)۔ آپ کا کام ہے کہ آپ دنیا کو بتائیے کہ اسلام سے خود ان کی فلاح وابستہ ہے۔ ان لوگوں تک بھی اپنی بات پہنچائیے جو آپ کو اپنا حریف سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا دین کسی خاص فرقے، گروہ، جماعت کے لیے نہیں ہے، بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے ہے، ہندوستان کے ہر فرد کے لیے ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ کیا معلوم، آج جن سے دشمنی ہے، کل ان سے صلح ہو جائے۔ تمہارا رویہ ٹھیک رہا اور اسلام کی تعلیم ان تک پہنچی تو ان کے دل بدل بھی سکتے ہیں۔ تم سے ان کی صلح و آشتی بھی ہو سکتی ہے۔

اتنے سارے انسان جو ہزاروں کی تعداد میں میرے سامنے ہیں اگر وہ

کھڑے ہو جائیں ، یہاں کی آبادی کھڑی ہو جائے اور اللہ کا دین پہنچانے میں لگ جائے اور اس کا صحیح تعارف ہو تو یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ آپ کی بات سنی جائے گی اور اللہ کے دین کی طرف توجہ ہوگی۔ دشمنی کی اصل بنیاد یہ ہے کہ وہ آپ کو دشمن اور آپ کے دین کو دشمن کا دین سمجھتے ہیں، آپ کی نصح وخیر خواہی اس رویہ کو بدل سکتی ہے۔

۸۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کیجیے

ان نازک حالات میں اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کیجیے۔ اس کے علاوہ ہمارا دنیا میں کوئی سہارا نہیں ہے۔ نازک حالات میں نبی ﷺ سے کہا گیا کہ صبر وثبات کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہیے اور اللہ کو یاد کرتے رہیے: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى ۔طٰہٰ: ۱۳۰۔ (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے، طلوع آفتاب سے قبل اور غروب آفتاب سے قبل اور رات کے اوقات میں تسبیح کیجیے اور دن کے کناروں پر بھی۔ امید ہے، آپ خوش ہو جائیں گے) یہ صبر کے ساتھ اللہ کو شب وروز یاد کرنے اور اس کی حمد وتسبیح کا حکم ہے، اس میں فرض نمازوں کے ساتھ نفل نمازوں کا بھی ذکر ہے اور اس امر کا بھی اشارہ ہے کہ اس سے آپ خوش گوار نتائج دیکھیں گے: وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔آل عمران : ۱۰۱۔ (جو اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لے اسے سیدھا راستہ مل گیا۔ اس کے بھٹکنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو باتیں عرض کی گئی ہیں، ان پر غور کرنے اور عمل کرنے کی مجھے بھی اور آپ کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

تحقیق وتنقید

پکتھال کے ترجمۂ قرآن پر ایک نظر

پروفیسر عبدالرحیم قدوائی

برطانوی نومسلم محمد مارماڈیوک پکتھال (۱۸۷۵ئ۔۱۹۳۶ئ) کو ۱۹۳۰ء میں انگریزی ترجمۂ قرآن مجید پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کے دیباچے میں عالمانہ انکساری کے ساتھ انھوں نے اپنے اس عجز کا اعتراف کیا ہے کہ وہ اپنے ترجمے میں متنِ قرآنی کے اس زور بیان، فصاحت اور دیگر اوصاف کو منتقل کرنے سے قاصر رہے ہیں، جن کے باعث عربی میں قرآن مجید کے قارئین ہر طرح کی کیفیات، بالخصوص سرخوشی اور اشک باری سے دو چار ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کا اعادہ کچھ غیر ضروری سا ہے کہ ایک پکتھال ہی پر کیا موقوف، دنیا کی کسی زبان میں کوئی بھی مترجم اپنے ترجمے میں قرآن مجید کے حسن اور تاثیر کی ادائیگی پر کبھی قادر نہیں ہوا ہے اور نہ ہو سکے گا۔ کلام اللہ کی رفعت تک انسانی ذہن کی ایسی رسائی ناممکن ہے۔ اس ضمن میں بجا طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ پھر ترجمے کی ضرورت اور افادیت کیا ہے؟ درحقیقت دعوت اور تبلیغ کے نقطۂ نظر سے اور فکری اور علمی لحاظ سے بھی قرآن مجید کے ترجمے کی بہ شمول انگریزی، اشد ضرورت ہے۔ دیارِ مغرب میں کئی نسلوں سے مقیم لاکھوں مسلمانوں کی مادری زبان اب انگریزی ہے۔ دیگر ممالک میں بھی ایسے لاکھوں مسلمان ہیں جن کے مطالعے کی زبان انگریزی ہی ہے۔ ۱۹۳۰ء میں بھی انگریزی تعلیم یافتہ طبقے کی ذہنی اور روحانی آب یاری کے لیے انگریزی ترجمہ درکار تھا، جسے توفیق الٰہی سے پکتھال نے بہ حسن وخوبی انجام دیا۔

آج ۲۰۱۷ء میں مکمل انگریزی تراجم کی تعداد ایک سو بیس (۱۲۰) سے بھی

متجاوز ہے۔ ان میں تقریباً نوے (۹۰) تراجم بحمداللہ مسلمان اہل قلم کے ہیں۔ ا۔ البتہ ۱۹۳۰ء میں جب پکتھال نے اس کارِعظیم کا بیڑا اٹھایا تھا، اس وقت یہ تراجم کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے ناقابل ذکر اور حد درجے ناقص تھے۔ آج ان تراجم کی کثرت کے باوصف بھی پکتھال کے ترجمے کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کا اولین معیاری انگریزی ترجمہ ہے، بلکہ معیاری اعتبار سے آج بھی یہ ایک کسوٹی ہے، جس کی روشنی میں دیگر نئے تراجم کے حسن وقبیح کو جانچا اور پرکھا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہ متن قرآن سے بہت قریب اور صحیح انگریزی کی سند کا درجہ رکھتا ہے۔

پکتھال نظام حیدرآباد میر عثمان علی، دولت آصفیہ کے شعبۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ نظام نے ان کو ترجمۂ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کے لیے دو سال باتنخواہ رخصت منظور کرکے اپنے حق میں قابل رشک صدقۂ جاریہ کا انتظام کیا۔ ادب عالیہ اور اس کے سرپرستوں کے ضمن میں صاحب طرز نثر نگار مختار مسعود 'آواز دوست' میں رقم طراز ہیں:

> ''حشر کے دن بہت سے لوگ اعمال نامے ہی نہیں، کتابیں لیے ہوئے بھی کھڑے ہوں گے۔ سرسید کے ہاتھ میں مسدّس حالی کا نسخہ ہوگا، سلطان جہاں بیگم نے سیرۃ النبی کی جلدیں اٹھائی ہوں گی، حمیداللہ کے ہاتھ میں ضرب کلیم ہوگی۔ مغفرت کے بھی خدا نے کیا کیا سامان پیدا کیے ہیں''۔ ۲۔

اسی صف میں نظام حیدرآباد بھی شامل ہیں۔ ہر چند کہ پکتھال کا ترجمہ ۱۹۳۰ء میں منظر عام پر آیا، قرائن سے متبادر ہے کہ ۱۹۱۴ء میں اپنے قبول اسلام کے بعد ہی سے ان کو ایک نئے ترجمے کی ضرورت کا احساس تھا، کیوں کہ ۱۹۱۹ء کے مجلہ 'اسلامک ریویو' میں قرآن مجید پر ان کے مقالے میں بعض آیات قرآنی کا ترجمہ خود ان کا اپنا ہے۔ اسی مقالے میں انھوں نے دست یاب تراجم پر اپنے عدم اطمینان کا اظہار بھی کیا ہے۔ ۳۔

۱۹۳۰ء تک تین اقسام کے تراجم قرآن موجود تھے:

۱۔ مستشرقین کے گم راہ کن اور مسخ شدہ تراجم، جیسے الیگزینڈر راس (۱۶۴۹ئ) جارج سیل (۱۷۳۴ئ) جے ایم روڈویل (۱۸۶۱ئ) اور ای ایچ پالمر (۱۸۸۰ئ)۔

۲۔ قادیانی مترجمین کے اپنے برخود غلط مذہب کے ترجمان تراجم، جیسے محمد عبد الحکیم خاں (۱۹۰۵ئ) محمد علی لاہوری (۱۹۱۷ئ) اور غلام سرور (۱۹۲۰ئ)۔ غلام سرور قادیانی نہ تھے، لیکن ان کے ترجمے میں مرزا غلام احمد کا ذکر تعریف وتوصیف کے ساتھ ہے۔

۳۔ غیر معروف، کم علمی صلاحیت کے اکاّ دکاّ مسلمان مترجمین کے تراجم۔ مثلاً ابو الفضل (۱۹۱۸ئ) اور مرزا حیرت دہلوی (۱۹۱۶ئ)۔ ان صاحبان کو انگریزی زبان و بیان پر قدرت مطلق نہ تھی۔ نیک نیتی کے باوصف یہ تراجم غیر معیاری اور قارئین کے لیے بڑی حد تک بے مصرف تھے۔

ترجمۂ قرآن کرنے والے مستشرقین اسلام، قرآن مجید اور سیرۃ النبی کی صداقت کے سرے ہی سے منکر تھے۔ ان کے تراجم میں اسلام پر اعتراضات اس پر مستزاد ہیں، جن کا مقصود قارئین کو اسلام سے متنفر کرنا تھا۔ وہ اسلام کو عیسائیت کا مہمل چربہ اور قرآن مجید کو بائبل سے مستعار رسول اکرم ﷺ کی تصنیف گردانتے تھے۔ پہلے انگریز مترجم الیگزینڈر راس کے عربی سے قطعاً نابلد ہونے اور ڈی روئر کے فرانسیسی ترجمۂ قرآن مجید کو انگریزی کا قالب دینے کی تصدیق اور توثیق نو مغربی فضلاء نے بھی کی ہے۔ ۴؎ سیل اور روڈویل کلیسا سے باضابطہ طور پر وابستہ تھے، لہٰذا ان کے تراجم اسلام کے خلاف بغض وعناد کے آئینہ دار ہیں۔ پالمر کی عربی دانی مشکوک تھی۔ اس کی شہادت بھی ثبوت کے ساتھ ایک مغربی فاضل ہی نے دی ہے۔۵؎ مستشرقین کا یہ معاندانہ رویہ ہنوز باقی ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال ایلن جونز کا ترجمہ (۲۰۰۷ئ) ہے، جس کا واحد مقصود قرآن مجید کا استخفاف ہے۔۶؎

قادیانیت کا فتنہ پکتھال کے دور تک برگ و بار لا چکا تھا۔ محمد عبدالحکیم خاں اور محمد علی لاہوری کے تراجم میں عالم غیب اور معجزات کے خارج امکان ہونے کے ساتھ مرزا غلام احمد کے نبی ہونے کا باطل عقیدہ بھی مذکور ہے۔ بہ ظاہر مسلمانوں سے منسوب یہ تراجم غیر مسلم مستشرقین کے تراجم سے زیادہ خطرناک، بلکہ مہلک تھے کہ ان کی اصلیت سے ناواقف سادہ لوح قارئین ان کے دجل و فریب کو عین قرآن مجید کا پیغام سمجھتے اور ان کے نام سے ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کا دھوکہ کھاتے۔ پکتھال کے ترجمے کی اشاعت سے قبل محمد علی لاہوری کا ترجمہ عام طور پر دست یاب تھا۔

جہاں تک ان دو مسلمان مترجمین ابو الفضل اور مرزا حیرت دہلوی کا تعلق ہے، ان کا جذبہ یقیناً صادق تھا۔ وہ اپنے دور کے برطانوی ہند میں عیسائی مشنریوں کے اسلام، قرآن مجید اور سیرۃ النبیؐ کے خلاف ہفوات کی تردید کے خواہاں تھے، لیکن ان دونوں کا مبلغ علم کم زور اور انگریزی زبان و بیان پر دست رس واجبی تھی۔ نتیجتاً یہ تراجم نافع نہ ثابت ہوئے۔

قرآن مجید کے حیات بخش پیغام کی کما حقہ پیش کش کی سعادت رحمت الٰہی سے پکتھال کے حصے میں آئی۔ ان کے ہاں جرأت ایمانی بھی ہے اور راسخ العقیدگی بھی۔ ان کے اسی اخلاصِ نیت کی برکت سے ان کے ترجمے کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی۔ جلد ہی اور بار بار اس کی طباعت انگلستان اور امریکہ تک میں ہوئی۔ ان کا یہ ترجمہ ان کے دور کے روز افزوں انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے گویا آب حیات ثابت ہوا۔ مزید برآں اس دور کے عامۃ المسلمین کے لیے ایک نومسلم انگریز اہل قلم کی یہ خدمتِ قرآنی نفسیاتی اور جذباتی لحاظ سے نہایت مسرت آفریں تھی۔ پکتھال کے اس ترجمے کی مقبولیت محض وقتی ثابت نہ ہوئی۔ اب تک یہ دوسو (۲۰۰) سے زائد مرتبہ دنیا کے گوشے گوشے سے طبع ہو چکا ہے۔ اس سے بھی اہم نکتہ یہ ہے کہ ان کا ترجمہ آئندہ مسلم فضلاء کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا اور ان سب ہی مترجمین نے

پکتھال سے استفادے کا اعتراف کیا۔ البتہ بعض حضرات نے خراجِ تحسین کا یہ معیوب طریقہ اختیار کیا کہ پکتھال کے ترجمے کو بعینہ یا محض برائے نام تبدیلی کے ساتھ اپنے نام سے پیش کر دیا۔ مثلاً ایس وی میر احمد علی، اوزک علی، ٹرانسلیشن کمیٹی، داؤد ولیم پیجی اور مانع الجہنی وغیرہ۔ تحسین شناسی میں یہ کیسی ستم ظریفی! ۷؎

پکتھال کا ترجمہ متن قرآنی سے بہت قریب ہے۔ یہ بہ یک وقت اس کا حسن بھی ہے اور عیب بھی۔ یہ مسلّمہ امر ہے کہ ترجمہ کسی بھی کتاب کا ہو، اس کے متن کے ہو بہو ہونا چاہیے اور زیر ترجمہ جب کتاب اللہ ہو تو تقویٰ کا تقاضا ہے کہ اصلی عبارت سے سرمو انحراف نہ کیا جائے۔ پکتھال اس باب میں اتنے محتاط تھے کہ اشاعت سے قبل جامعۃ الازہر قاہرہ کے مشائخ سے اپنے مسودے کی صحت کے بارے میں سند حاصل کی۔ لیکن اس حقیقت سے بھی مفر نہیں کہ اگر ترجمہ اصل متن کے عین مطابق ہو تو اس کے نرے لفظی اور خشک ہو جانے کا خدشہ رہتا ہے اور وہ قارئین کے لیے زیادہ بامعنیٰ نہیں رہتا۔ قرآن مجید کے متن میں التفات اور محذوفات کثرت سے ہیں، جو اصل عربی میں عین حسن اور فصاحت سے عبارت ہیں، لیکن انگریزی ترجمہ میں ان کی بجنسہٖ منتقلی قارئین کے لیے چنداں مفید نہیں ہے، کیوں کہ ان کو مطلوب سلیس اور رواں زبان میں اصل کے معنی اور مطلب ہوتے ہیں۔ پکتھال کا ترجمہ بڑی حد تک لفظی ہے اور اسی باعث بڑی حد تک ترسیل میں مانع ہے۔ درج ذیل مثال ملاحظہ کیجیے:

> Nay, I swear by this city. And thou art an indweller of this city. And the begetter and that wich he begat. we verily have created man in atmosphere.(البلد:۱۔۴)

عام قاری کے نقطۂ نظر سے یہ ترجمہ چیستاں ہے۔ 'I'، 'this city' اور 'thou' سے کیا مراد ہے؟ 'I' کی تقلیب آخری آیت میں 'we' میں کیوں ہوگئی؟ کیا

متکلم مختلف ہیں اور ان کی تعداد کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ''Nay''، ''thou''، 'art' اور 'verily' جیسے متروکات کا استعمال اس پر مستزاد ہے۔ اس کے بالمقابل ذیل میں ایک حالیہ مترجم احمد ذکی حماد کا ان ہی آیات کا وضاحتی ترجمہ پیش ہے:

> No, indeed I swear by this sacred city of makkah, while you, O prophet, are a free dweller in this city of Makkah. Moreover, Aswear by all that begatand all that is begotten! verily truly we created man in a life of travail.

یہاں ضمائر، محذوفات، تلمیحات اور مفہوم سب واضح ہے۔ پکتھال کی اس جزوی ناکامی کا بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انھوں نے اپنے ترجمہ میں وضاحتی حواشی کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ سے قارئین متن قرآنی میں مذکور اشخاص، مقامات، اشیائ، تلمیحات اور بنیادی تاریخی اور جغرافیائی پس منظر سے بے خبر رہ جاتے ہیں، اس طرح قرآن مجید کے مالہ وماعلیہ سے واقف نہیں ہو پاتے۔ پکتھال نے ہر سورہ کی ابتدا میں مختصر تاریخی پس منظر بیان کیا ہے، لیکن یہ قارئین کی تشفی اور رہ نمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ بعد کے مترجمین، مثلاً سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ، عبد الماجد دریا بادیؒ، عبداللہ یوسف علیؒ، ذکی حماد اور مصطفی خطاب کے ہاں مفصل اور کثیر تعداد میں حواشی کا التزام ملتا ہے، جو قرآن فہمی میں معاون ہے۔ ۸؎

پکتھال نے اپنے ترجمے کے مقدمے کے طور پر اسلامی عقائد اور سیرۃ النبیؐ کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے، جو مسلم اور غیر مسلم قارئین کے لیے اہم بھی ہے اور مفید بھی۔ ہر چند کہ ان کے حواشی تعداد کے لحاظ سے برائے نام ہی ہیں، لیکن ان میں بعض پر مغز اور قابل داد ہیں۔ مثلاً قرآنی اصطلاح 'عبد' کی وضاحت، معجزات کا ثبوت، ذبیحے کا جواز، رسول اکرم کے ہاں تعدد ازدواج کی حکمت اور سیرۃ النبیؐ بہ طور

اسوۂ حسنہ۔ اس کے برعکس بعض حواشی فروگزاشتوں اور تسامحات سے داغ دار بھی ہیں۔ مثلاً سورۂ نحل کی آیت نوے (۹۰) کے ذیل میں یہ مبہم بیان کہ یہ آیت اہل سنت کے ہفتہ وار خطبے کا جزو ہے۔ یہاں خطبۂ جمعہ کی تصریح لازم تھی۔ مزید برآں، اہل تشیع کے خطبۂ جمعہ میں بھی یہ شامل ہے۔ ان کا یہ تبصرہ بھی غیر ذمہ دارانہ ہے کہ سورہ الرحمن میں مذکور چار باغات کا تعلق بہشت سے نہیں، بلکہ ان سے مراد چار مما لک، یعنی مصر، شام، عراق اور ایران پر مسلمانوں کی فتوحات ہیں۔ اسی طرح قرآنی اصطلاح 'الطارق' کی سائنسی پیرائے میں توضیح قدرے مضحکہ خیز ہے۔

اپنے ترجمے کے لیے کلام اللہ کی رفعت کے پیش نظر پکتھال نے کنگ جیمس سے منسوب بائبل میں مستعمل انگریزی محاورۂ بیان کا تتبع کیا ہے۔ ۱۹۳۰ء ہی میں یہ اسلوب نامانوس ہو چلا تھا اور اب تو یہ قطعاً متروک اور مفقود ہے۔ عام فہم انگریزی الفاظ 'You', 'are' اور 'has' کے بجائے ان کے یہاں ناقابل فہم الفاظ 'Thou', 'art' اور 'hath' بالترتیب ملتے ہیں، جو آج کے قارئین کے لیے بالکل اجنبی اور معمے سے کم نہیں۔

بعد کے بعض مسلم مترجمین نے ترجمہ کی آڑ میں جو گل کھلائے اور تفسیر بالرائے اور تفردات کا بازار گرم کیا، ان کی بہ نسبت پکتھال کی مذکورہ بالا فروگزاشتیں معمولی اور ہلکی ہیں۔ مثلاً خادم رحمن نوری، صلاح الدین پیر، ہاشم امیر علی، رشاد خلیفہ، محمد احمد مفسر، محمد اسد، احمد علی، ایم۔اے۔کے۔ پٹھان اور لالہ بختیار نے اپنے اپنے انداز میں منشائے قرآنی کو اپنی آراء اور مرغوبات ذہنی کے تابع بنایا، معجزات کا انکار کیا، عصری سیاست کا قرآن مجید پر انطباق کیا اور بے لگام صنفی آزادی کو متن قرآنی سے برآمد کرنے کی جسارت کی۔۹؎

پکتھال کے ترجمے کے آخر میں قرآنی موضوعات کو محیط جامع اشاریہ محققین اور قارئین کے لیے اس اعتبار سے ایک نعمت ثابت ہوا کہ ۱۹۳۰ء میں انگریزی میں کسی موضوعاتی معجم کا وجود نہ تھا۔

غرض یہ کہ اپنی اولیت اور معیار کے لحاظ سے اس انگریز نومسلم کے ترجمہ کو آج بھی ایک سوبیس (۱۲۰) سے زائد دست یاب انگریزی تراجم میں امتیازی مقام حاصل ہے اور اللہ کی قدرت کاملہ کا یہ دل کش مظہر کہ اس نے ایک انگریز نومسلم کو یہ سعادت بخشی جس کے نتیجے میں قرآن فہمی کی راہ ہموار ہوئی۔

حواشی ومراجع

ا۔قرآن مجید کے انگریزی تراجم کی تفصیلات اور تجزیے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

1. Abou Sheishaa, M.A, Muhammad, "The Translation of The Quran: A Slective Bibliography", www. quarn.org.uk/ariticles /iebquran bibliography tml.

2. Ihsanoglu Ekmeleddin, "World bibliography Translation of the Meanings of the Quran: 1515-1980. Istanbul, Turkey, OIC, RCIH, 1986.

3. Kidwai, Abdur Raheem, "Bibliography of the Translation of the meaning of the Glorious Quran into English, 1649-2002. Madina, Saudi Arabia, King Fahd Quran Printing Complex, 2007.

4. Karimi. Nia, Morteza, Bibliography of Quranic Studies in European Languages. Qum, Iran, Centre for Translation of the Holy Quran, 2012

۲۔مختار مسعود، آواز دوست، لاہور، مکتبہ النور، ۱۹۷۳ئ، ص ۱۶۱

2. Marmaduke Pickthall, " The Quran" The Islamic Review, 1991, pp 9-16

3. Matar, Nabil, "Alexander Ross and the First English

Translation of the Quran, "Muslim world 88:1, January 1998, pp, 82 and 85

4. Nykl, A.R, "Notes on E.H. Palmer's The Quran, Journal of American Oriental Society. 56, 1936, pp, 77-84

اس مقالے میں پالمر کے ترجمے میں در آئی ۶۵ سے زائد سنگین غلطیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔

5. Kidwai, Abdur Reheem, "Translating the untranslatable: A Critical guid to 60 English Translations of the Quran, New Delhi, India, Sarup Book, 2011

۷۔تفصیلات کے لیے دیکھیے مذکورہ بالا تصنیف۔

۸۔انگریزی تراجم قرآن مجید کے تجزیے کے لیے دیکھیے:

1. Ali Muhammad Mohar, "The Quran and the Orientalists, Norwich, U.K, Jamiat Ihyaa Minhaj al-sunnah,2004

2. Hammad, Ahmad Zaki, "Representing the Quran in English", in the Gracious Quran Lisle, USA, Lucent, 2007,pp.67.68,Kldwai, Abdur Raheem Translating the untranslatable.

3. Bar-Asher, Meir M, "Variant Readings and Additions of the Imami.shi 'i to the Quran, "Israel Oriental Studies" 13 (1993), 39-74.

4. Greifenhagen, F.V, "Traduttore Traditore: "An Anylysis of the History of the English Translations of the Quran, "Islam and Christian-Muslim Relations, 3:2, (1992) pp 274-291

5. Mohammad, Khaleel, "Assessing English Translations of the Quran, "Middle East Quarterly, 12:2, (2005), pp, 59-72

6. Iqbal, Muzaffar, "Western Academia and the Quran", Muslim world Book Review, 30:1 (2009), pp, 6-18

7. Robinson, Neal, "Sectarian and Ideological Bias in Muslim Translations of the Quran", Islam and Christian- muslim Relations, 8:3, (1997) pp 261-278

۹۔ان تراجم پر مفصل تبصرے کے لیے دیکھیے:

Kidwai, Abdur Raheem, Translating the Untranslatable.

مسلمان عورت کے حقوق
اور ان پر اعتراضات کا جائزہ
(مولانا سید جلال الدین عمری)

اس کتاب میں اسلام میں عورت کے مقام و مرتبہ پر مخالفین کے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا گیا ہے اور بہت مدلّل انداز میں ان کا رد کیا گیا ہے، ساتھ ہی اسلام کے زیر سایہ عورت کو حاصل حقوق بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں مہر، نفقہ، تعداد ازدواج، طلاق، نفقۂ مطلقہ، خلع، حجاب، وراثت، قصاص، دیت، شہادت، خاندان کی سربراہی اور سیاسی قیادت جیسے موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ مصنف نے بہ دلائل واضح کیا ہے کہ ان تمام مسائل میں اسلام نے عورت کی مخصوص جسمانی صلاحیت و میلانات کی بھرپور رعایت ہے اور اس کے حقوق اور ذمہ داریوں میں توازن رکھا ہے۔

صفحات: ۲۴۰ قیمت ۱۰۰=/ : روپئے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی نے The Rights of MuslimWomen: An Appraisal کے نام سے شائع کیا ہے۔

برّصغیر ہند میں علم حدیث کے ابتدائی نقوش

محترمہ ثنا ناز

برّصغیر ہند اگرچہ مسافت کے اعتبار سے مرکز اسلام سے بہت دور ہے، لیکن اسے یہ سعادت حاصل ہے کہ پہلی صدی ہجری ہی میں وہ اسلام کی نعمتوں سے سرفراز ہو گیا تھا اور اس کی رحمتیں اس پر سایہ فگن ہونے لگی تھیں۔ اس طرح اس خطۂ ارض میں قرآن و حدیث کی تبلیغ و اشاعت کے روح پرور سلسلے کا آغاز ہو گیا تھا۔

ہندوستان ~~ایک قدیم اور وسیع و عریض~~ ملک ہے۔ یہاں کے لوگوں کے عربوں سے تعلقات قدیم زمانے سے چلے آ رہے ہیں۔ عرب تجارت پیشہ تھے۔ وہ آس پاس کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ ان کی تجارت کا سلسلہ اسلام سے بھی قدیم تھا، ملک عرب کی جائے وقوع کچھ ایسی ہے کہ وہاں سے دنیا کے اکثر ممالک میں سامان لایا اور لے جایا جا سکتا ہے۔ علامہ سیّد سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''ایک طرف عراق، دوسری طرف شام، تیسری طرف مصر اور افریقہ، سامنے ہندوستان اور ایک رخ پر ایران ہے۔ ان تمام ملکوں کے براہِ راست پرانے تعلقات تھے''[۱]

عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ بحرین ہمیشہ سے چین اور ہندوستان کی تجارت کا مرکز تھا، جہاں اکثر ہندوستانی قافلے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت رہتی تھی۔ جہاز ہندوستان کے ساحلی علاقوں سے ہو کر یمن کی بندرگاہ تک پہنچتے تھے اور وہاں سے سامانِ تجارت کو اونٹوں پر لاد کر خشکی کے راستے بحر احمر کے کنارے کنارے شام و

مصر تک پہنچایا جاتا تھا اور وہاں سے بحر روم ہوتے ہوئے یورپ تک لے جایا جاتا تھا ۔انہی تعلقات کی وجہ سے ہندوستان عہد رسالت میں بڑی حد تک اسلام سے روشناس و مانوس ہو گیا تھا۔ اسلام کے بعد عربوں کو ہندوستان کی طرف توجہ ہوئی اور یہاں اسلامی نظامِ حکومت قائم کرنے کے لیے انہوں نے جدو جہد شروع کر دی۔

برّصغیر ہند میں صحابہ کی آمد

مسلمانوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ہی سرزمین سندھ کو فتح کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ہندوستان پر پہلا حملہ اس وقت ہوا جب سن ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو بحرین و عمان کا والی مقرر کیا۔ ۳؎ اسی سال حضرت عثمان بن ابی العاص نے عمان میں ایک بحری بیڑا تیار کرایا اور اپنے چھوٹے بھائی حکم بن ابی العاص ثقفی کی قیادت میں اسے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے کئی بندرگاہوں کو فتح کیا، لیکن ان پر قبضہ برقرار نہیں رکھا اور واپس عمان چلے گئے۔ ۴؎

اس طرح عہد فاروقی میں سندھ اور ہندوستان کے حدود و اطراف میں صحابہ اور تابعین کی آمد ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے زمانے تک مسلم فوجیں شام، مصر، عراق، یمن، ترکستان، ماوراء النہر اور سندھ کے اکثر حصوں کو فتح کرتے ہوئے ہند میں داخل ہو گئیں۔عہد فاروقی میں ہندوستان کے جن علاقوں میں فتوحات ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) تھانہ (۲) بھروچ (۳) دیبل (۴) مکران کی پہلی فتح (۵) مکران کی دوسری فتح (۶) بلوچستان (۷) سجستان سے متصل سندھ کی فتوحات۔

جو صحابہ ہندوستان کی سرزمین پر وارد ہوئے ان کے نام اس طرح ہیں:

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں: (۱) حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ (۲) حضرت حکم بن ابی العاص ثقفیؓ (۳) حضرت مغیرہ بن ابی العاص ثقفیؓ (۴) حضرت ربیع بن زیاد حارثی مذحجیؓ (۵) حکم بن عمر ثعلبی غفاریؓ (۶) حضرت

عبداللہ بن عبداللہ انصاریؓ (۷) حضرت سہل بن عدی خزرجیؓ (۸) حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمیؓ (۹) حضرت صحار بن عباس عبدیؓ (۱۰) حضرت عاصم بن عمرو تمیمیؓ (۱۱) حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ (۱۲) حضرت نسر بن دسیم ثوری عجلیؓ۔

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں: (۱) حضرت حکیم بن جبلہ عبدیؓ (۲) حضرت عبیداللہ بن معمر تمیمی (۳) حضرت عمیر بن عثمان بن سعیدؓ (۴) حضرت مجاشع بن مسعود سلمیؓ (۵) حضرت عبدالرحمن بن سمرہ قرشیؓ۔

حضرت علیؓ کے دور خلافت میں: (۱) حضرت خریت بن راشد ناجی سامیؓ (۲) حضرت عبداللہ بن سوید تمیمیؓ (۳) حضرت کلیب ابووائلؓ۔

حضرت معاویہؓ کے عہد حکومت میں: (۱) حضرت مہلب بن ابی صفرہ ازدی عتکیؓ (۲) حضرت عبد اللہ بن سوار عبدیؓ (۳) حضرت یاسر بن سوار عبدیؓ (۴) حضرت سنان بن سلمہ ہذلیؓ۔

یزید کے دورِ حکومت میں: حضرت منذر بن جارود عبدیؓ

سندھ میں محمد بن قاسم سے قبل اشاعتِ حدیث کی خدمت انجام دی گئی یا نہیں؟ اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، البتہ ۹۳ ھ میں جب محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کیا تو ان کی نگرانی میں سندھ آنے والی فوج میں کچھ ایسے اشخاص تھے جن کو قرآن وحدیث پر مکمل عبور حاصل تھا۔ انہی حضرات نے فتح سندھ کے بعد یہاں اشاعت اسلام کی خدمت انجام دی اور اسلامی علوم کے مراکز قائم کئے۔

دورِ اوّل کے محدثین

دور اوّل میں چند محدثین ہندوستان تشریف لائے، جنہوں نے یہاں اسلامی علوم اور خاص طور پر علم حدیث کی اشاعت کی۔ ان علوم کی اشاعت پہلے سندھ کے مغربی علاقوں میں ہوئی، پھر مشرقی علاقوں میں۔ کیوں کہ مسلمانوں نے پہلے مغربی علاقوں کو، اس کے بعد مشرقی علاقوں کو فتح کیا تھا، پھر پورے ملک میں حدیث کی روشنی پھیلنے لگی۔

دور اوّل کے چند محدثین درج ذیل ہیں:

موسیٰ بن یعقوب

ان کا پورا نام موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی تھا۔ ۵؎ وہ محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے اور مستقل طور پر وہیں سکونت گزیں ہو گئے تھے۔ اسی بنا پر محمد بن قاسم نے انہیں ارور کی مسند قضا پر فائز کیا تھا۔ موسیٰ کا خاندان دیارِ ہند کا مشہور خاندان تھا۔ ان کو **الصدر الامام الاجل بدر الملة و الدین سیف السنة و نجم الشریعة** کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ ۶؎

یزید بن ابی کبشہ

ان کا پورا نام یزید بن ابی کبشہ بن یسار بن حیّ بن قرط بن شبل تھا۔ ۷؎ والد محترم کا نام جبریل اور کنیت ابو کبشہ تھی۔ یہ دمشق کے رہنے والے تھے۔ ان کو ولید بن عبد الملک نے حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد بصرہ اور کوفہ کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ ابن حبان نے ان کو روایتِ حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے اپنے والد ابو کبشہ اور مروان سے بھی روایت کی ہے۔ ۸؎ امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ''**کان عریف السکاسک**۔'' ۹؎ (یہ سکسکیوں کے امیر اور سرکردہ آدمی تھے۔) ان کے بارے میں یہ بھی منقول ہے: ''**ولی العراقیین**'' ۱۰؎ (عراقیوں کے والی رہے۔)

یہ حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں 'امیر جنگ' کے عہدہ پر فائز تھے۔ ابو بشر کہتے ہیں: ''میں نے شام میں یزید بن ابی کبشہ سے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ سنے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ میں نے رسول ﷺ کے ایک صحابی سے سنا ہے۔ وہ عبد الملک بن مروان کو بتا رہے تھے کہ کوئی شخص شراب نوشی کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔'' ۱۱؎

یزید بن ابی کبشہ کو آخری زمانے میں سندھ کا والی بنا دیا گیا تھا۔ انہوں

نے سندھ آنے کے بعد ابھی اپنے فرایضِ امارات ادا کرنے شروع کیے ہی تھے کہ اٹھارہ دن کے بعد ہی (۹۶ھ میں) وفات پا گئے۔ ۱۲؎

مہلب بن ابی صفرہ

ان کی کنیت ابوسعید تھی اور ان کا تعلق قبیلۂ بنوازد سے تھا۔ ۱۳؎ انھوں نے متعدد صحابہ، مثلاً عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن العاص، سمرہ بن جندب اور براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ ۱۴؎

ابوصفرہ اپنے دس بیٹوں کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں سب سے چھوٹے مہلب تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''ھذا سیّد ولدک۔'' ۱۵؎ (یہ تمہاری اولاد کا سردار ہے)

مہلب نے علم وفضل کے میدان میں بڑی شہرت حاصل کی۔ سیاسی سرگرمیوں میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے۔ عرصۂ دراز تک خراسان کا منصبِ امارت ان کے سپرد رہا۔ مہلب بن عبدالرحمن بن سمرہ کے ماتحت سپہ سالار کی حیثیت سے وہ سجستان آئے، پھر عہد معاویہ میں ایک فوجی کی حیثیت سے حدودِ ہند میں داخل ہوئے۔ ۴۴ھ میں اس دستے نے ہندوستان کے بعض علاقوں کو پامال کرتے ہوئے سندھ کے ایک شہر کا رخ کیا اور آگے بڑھتا گیا۔

مہلب احادیث کا علم رکھتے تھے، مگر وہ احادیث کی زیادہ اشاعت نہ کر سکے، کیوں کہ ان کا قیام ہندوستان میں بہت مختصر رہا۔ مہلب ۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے خراسان کے شہر مرو میں ۸۳ھ میں وفات پائی۔ ۱۶؎

اسرائیل بن موسیٰ

ان کا نام اسرائیل، کنیت ابوموسیٰ اور والد کا نام موسیٰ تھا۔ ان کی کنیت والد کے نام پر تھی۔ ۱۷؎ اسرائیل بن موسیٰ تاجر کی حیثیت سے ہندوستان آتے رہتے تھے۔ یہاں ان کی برابر آمد ورفت رہتی تھی۔ بصرہ کے رہنے والے تھے، اسی وجہ

سے 'بصری' کی کنیت سے مشہور ہوئے ۔ وہ ہندوستان کا اتنا سفر کرتے تھے کہ ان کا لقب ہی 'نزیل الہند' پڑ گیا تھا۔ ۱۸؎

اسرائیل بن موسیٰ تبع تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے تابعین کی صحبت میں رہ کر اکتسابِ فیض کیا تھا۔ ان کا دور علمی حیثیت سے تاریخ اسلام کا دور زریں تھا۔ اس وقت سرزمینِ بصرہ دینی علوم کا گہوارہ تھا۔ امام حسن بصریؒ اس خطے میں اپنے فیض کا چشمہ جاری کیے ہوئے تھے ۔ اسرائیل بن موسیٰ نے ان سے بھی استفادہ کیا۔ امام حسن بصری کی صحبت نے انہیں اور زیادہ چمکا دیا۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ اور کبار تابعین سے انہیں اکتسابِ فیض کا موقع ملا، جن میں ابو حازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ۱۹؎

ابوموسیٰ نے اپنے اوصافِ حمیدہ کی بنا پر بلند مقام حاصل کرلیا تھا۔ ان کے آفتابِ فیض کی کرنوں سے دنیا کے مختلف خطے روشن ہوئے ، چنانچہ ہندوستان بھی اس دولتِ بے بہا سے منوّر رہا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ ان کے حلقۂ درس سے جو طالبانِ علم بھی حدیث کا درس لے کر نکلے وہ آسمانِ علم و دانش پر مہر و ماہ بن کر چمکے ۔ ان کے نام درج ذیل ہیں:

سفیان ثوری ،سفیان بن عیینہ،حسین بن علی الجعفی، یحیی بن سعید القطان۔ ۲۰؎

ابوموسیٰ کے مرتبۂ ثقاہت کا ثبوت یہ ہے کہ حدیث کے جامعین اور ائمہ نے اپنی کتابوں میں ان سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے ان کو ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے: 'کان یسافر الی الھند' ۲۱؎ (ہندوستان میں آمد و رفت رکھتے تھے۔)

ابو حاتم اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور یحییٰ بن معین کہتے ہیں:

''اسرائیل صاحب الحسن ثقة'' ۲۲؎

اسرائیل، جو حسن بصریؒ کے شاگرد ہیں، ثقہ راوی ہیں۔

ابو حاتم ان کے متعلق فرماتے ہیں: **لا بأس به** ۔ ۲۳؎ (ان کی روایت

قابل قبول ہے۔)

امام نسائی کا قول ہے: لیس بہ بأس۔ ۲۴؎

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"وھو بصری ،کان یسا فر فی التجا رۃ الی الھند وأقا م بھامدۃ"۔۲۵؎

وہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔تجارت کی غرض سے ہندوستان کا سفر کرتے تھے اور وہاں عرصہ تک مقیم رہے تھے۔

حاتم رازی لکھتے ہیں: "اسرائیل بن موسیٰ ابو موسی کان ینزل الھند" ۲۶؎ (اسرائیل بن موسیٰ ابوموسیٰ ہندوستان میں قیام کرتے تھے۔)

افسوس کہ دوسری صدی ہجری کے اس ممتاز محدث اور تابعی کے سنینِ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکے۔ حافظ ابن حجرؒ نے 'تقریب التہذیب' میں ان کا شمار چھٹے طبقہ میں کیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی وفات دوسری صدی ہجری کے آخر میں ہوئی ہوگی۔

ربیع بن صبیح

ہندوستان میں ربیع بن صبیح کو ایک محدث کی حیثیت سے جو مقام و مرتبہ حاصل ہوا وہ کسی اور کو نہ حاصل ہو سکا۔ اگر چہ وہ بھی ہندوستان جہاد کی غرض سے آئے تھے، لیکن وہ بحیثیت محدث مشہور و معروف ہیں۔

ان کا نام ربیع اور والد کا نام صبیح ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر اور ابوحفص تھی، مگر زیادہ شہرت ابوحفص کو ہی حاصل ہوئی۔ قبیلۂ بنوسعد کے آزاد کردہ غلام تھے، اسی لیے اس کی طرف منسوب ہو کر 'سعدی' کہلائے۔ ۲۷؎ الاعلام میں ان کا نام 'ربیع بن صبیح السعدی البصری ابوبکر' لکھا گیا ہے۔۲۸؎

ان کا وطن اصلی بصرہ تھا۔ انہوں نے جس عہد میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا وہ اسلامی علوم وفنون کا عہد زریں تھا۔ اس زمانے میں اسلام ہر اعتبار سے

ترقی کی راہ پر گام زن تھا۔ مجاہدین اسلام کے قافلے رواں دواں تھے۔ پورا عالم اسلام دینی علوم وفنون سے معمور تھا۔ اس دور میں بصرہ اسلامی تہذیب وثقافت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اسی ماحول سے وہ بھی فیض یاب ہوئے۔ انہوں نے جلیل القدر صحابہ اور اساطین علوم نبوی کے دیدار سے آنکھوں کو منور کیا۔ بصرہ میں اس عہد کی سب سے بڑی اور پرکشش شخصیت امام حسن بصریؒ کی تھی۔ ربیع بن صبیح نے ان سے بھرپور فیض اٹھایا۔ ان کے علاوہ جن دوسرے شیوخ سے بھی استفادہ کیا تھا، ان کے نام یہ ہیں:

> عطا بن ابی رباح، یزید رقاشی، قیس بن سعد ۲۹؎ حمید الطویل، ابو الزبیر، ابوغالب، ثابت البنانی، مجاہد بن جبیر وغیرہ ۳۰؎

ربیع بن صبیح نے تحصیل علم کے بعد خود مسندِ تدریس بچھائی۔ ان کے چشمۂ علم سے جو اشخاص سیراب ہوئے ان میں اس دور کے تمام علوم وفنون کے مشہور ائمہ شامل ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

> سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، وکیع بن الجراح، ابو داؤد طیالسی، ابو ولید طیالسی، آدم ابو ایاس، عاصم بن علی۔ ۳۱؎

ربیع بن صبیح اتباع تابعین کے زمرے میں بہت نمایاں اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ تمام ائمہ نے ان کے علم وفضل اور اوصاف وکمالات کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا عبدالحیؒ نے بیان کیا ہے:

> ''ربیع بن صبیح سچے، عابد وزاہد اور مجاہد تھے۔'' ۳۲؎

امام ابوزرعہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''شیخ صالح صدوق۔'' ۳۳؎ (سچے اور نیک بزرگ تھے۔)

امام شعبہ کا قول ہے:

> ''الربیع من سادات المسلمین۔'' ۳۴؎

امام ربیع مسلمانوں کے سرکردہ لوگوں میں سے ہیں۔

بشر بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام شعبہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ فرما رہے

تھے:

''ان فی الربیع خصالاً لا تکون فی الرجل واحدۃ منھا''۔ ۳۵؎

بلا شبہ ربیع بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک ہیں جن میں کوئی ایک بھی دوسرے میں نہیں پائی جاتی۔

علماء اور ائمہ دین کی کثیر تعداد نے ربیع بن صبیح کی ثقاہت کی شہادت دی ہے۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے ربیع بن صبیح کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا:

''لا بأس بہ، رجل صالح۔'' ۳۶؎

ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ صالح آدمی تھے۔

عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے ربیع بن صبیح کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

''لیس بہ بأس'' ۳۷؎

ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ابن عدی کا قول ہے:

''لہ أحادیث صالحۃ مستقیمۃ، ولم أر لہ حدیثاً منکراً، وأرجو انہ لا بأس بہ ولا بروایاتہ'' ۳۸؎

ان کی حدیثیں بالکل درست ہیں۔ مجھے ان کی کسی منکر حدیث کا علم نہیں، میرا خیال ہے کہ ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

البتہ بعض علماء نے ان کے بارے میں نقد و جرح کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ ابن المدینیؒ فرماتے ہیں:

ھو عندنا صالح ولیس بالقوی۔ ۳۹؎

وہ ہمارے نزدیک نیک آدمی تھے، مگر قوی نہیں تھے۔

حاکم کا قول ہے:

''لیس بالمتین عندھم'' ۴۰؎

وہ محققین کے نزدیک قوی نہیں تھے۔

ربیع بن صبیح نے دینی علوم اور خاص طور پر علم حدیث میں بڑی شہرت حاصل کی تھی، مگر بعد میں وہ محدث اور فقیہ سے زیادہ صاحب زہد وتقویٰ اور مجاہد کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے۔ ابن حبان نے لکھا ہے:

"کان من عبّاد أهل البصرة وزهّادهم، وکان یشبه بیته باللیل بیت النحل من کثرة التهجد" ۴۱؎

وہ بصرہ میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور صاحبِ ورع تھے۔ کثرتِ تہجد کی بنا پر ان کا گھر شب میں شہد کی مکھی کا چھتہ بن جاتا تھا۔

ان کی مجاہدانہ حیثیت کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

"کان الربیع بن صبیح غزّاء" ۴۲؎

ربیع بن صبیح زبردست غازی ومجاہد آدمی تھے۔

احادیث کو بہت سے ائمہ نے سینوں سے سفینوں میں منتقل کیا۔ ان میں ربیع بن صبیح کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔ انہیں حدیث میں اہلِ بصرہ میں اسلام کی قدیم ترین صاحبِ تصنیف شخصیت قرار دیا گیا ہے۔ رامہرمزی نے لکھا ہے:

انّه اول من صنف بالبصرة۔ ۴۳؎

ربیع بصرہ کے سب سے پہلے مصنف ہیں۔

ربیع بن صبیح کے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے۔ بیٹوں میں عبدہ بن ربیع بن صبیح اور سلمان بن ربیع ہندی ہیں، جو علم وفضل میں بلند مرتبے پر فائز تھے۔ ان کی بیٹی کا نام معلوم نہیں، لیکن محدث اسحاق بن عباد کو ان کا نواسہ قرار دیا گیا ہے۔ ابو حاتم نے انھیں 'ابن ابنتہ' لکھا ہے، جس سے علم ہوتا ہے کہ ان کی ایک لڑکی بھی تھی۔ ۴۴؎

عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب کے زیر قیادت ایک بحری بیڑا ہندوستان روانہ کیا۔ صوبہ گجرات میں ضلع بھڑوچ سے سات میل جنوب میں ایک بندرگاہ تھی۔ سمندری راستے سے جہاز وہاں آتے جاتے تھے۔ فوج کے والنٹیرس کی جماعت کے افسر اعلیٰ ربیع بن صبیح تھے۔ فوج نے بھاڑ وبھڑوچ کی زمین پر قدم رکھنے

کے دوسرے دن ہی حملہ کر دیا۔ جنگ شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زبردست فتح وکامرانی نصیب فرمائی۔ دشمنوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس طرح بھاڑ وبھڑوچ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ مسلم فوج نے جب واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا اسی زمانے میں سمندر میں طغیانی آئی، جس کی وجہ سے فوج کی واپسی ممکن نہ ہو سکی اور اسے سمندر کے پرسکون ہونے تک وہیں قیام کرنا پڑا۔ اسی زمانے میں 'حمام قر' نام کی ایک مہلک بیماری پھیلی، جس میں مبتلا ہو کر بہت سے فوجی جاں بہ حق ہو گئے، جس میں ربیع بن صبیح بھی تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے:

''خرج غازیاً الی الهند فی البحر، فمات فدفن فی جزیرة من جزائر البحر سنة ستین ومائة'' ۴۵؎

وہ سمندری راستے سے جہاد کرنے ہندوستان آ گئے تھے۔ وہیں ۱۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا اور وہ کسی جزیرے میں مدفون ہوئے۔

نزھۃ الخواطر میں بیان کیا گیا ہے:

کانت وفاته فی سنة ستین ومائة بأرض السند۔ ۴۶؎

ان وفات سرزمین سند میں ۱۶۰ھ میں ہوئی۔

ابو معشر نجیح سندھی

ابو معشر بن عبد الرحمن سندھی دوسری صدی ہجری کے مشہور ومعروف راوی حدیث اور تبع تابعی گزرے ہیں۔ وہ غلامی کی زندگی بسر کرنے کے بعد بھی علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں معروف تھے۔ وہ سندھی الاصل تھے۔ ابو نعیم کہتے ہیں:

''کان ابو معشر سندیاً، وکان رجلاً ألکن یقول حدثنا محمد بن قعب ویرید ابن کعب'' ۴۷؎

ابو معشر سندھی تھے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ وہ حدثنا محمد بن قعب کہتے تھے اور قعب سے مراد کعب ہوتا تھا۔

نجیح بن عبد الرحمن سندھی ابو معشر کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۸۔۴ ان کا اصل وطن سندھ تھا۔ ۴۹؎ سندھ کی کسی جنگ میں، جو مسلمانوں اور اہل سندھ کے

درمیان ہوئی تھی، ابومعشر گرفتار کر کے حجاز لے جائے گئے اور وہاں بنی مخزوم کی ایک عورت کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے۔ پھر خلیفہ مہدی کی ماں نے انہیں رقمِ کتابت ادا کر کے آزاد کر دیا تھا۔ ۵۰؎

ابومعشر نجیح سندھی کی زندگی کا زیادہ عرصہ غلامی کی حالت میں گزرا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں نے انھیں تحصیل علم کے پورے مواقع بہم پہنچائے تھے۔ وہ مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کے اہلِ علم سے فیض یاب ہوئے۔ وہ علم حدیث، مغازی اور فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی مکمل دست رس رکھتے تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ''وہ حافظہ کی کم زوری کے باوجود علم کا مخزن تھے''۔ ۵۱؎

ابومعشر کے علم وفضل کو تمام علماء ومحدثین نے سراہا ہے۔ ابوحاتم نے لکھا ہے کہ وہ ثقہ اور نیک شخص ہیں، روایتِ حدیث میں کم زور مگر سچے ہیں۔ ابن عدیؒ نے بیان کیا ہے:

''حدث عنه الثقات مع ضعفه، یکتب حدیثه''۔ ۵۲؎

ثقہ لوگوں نے ان سے روایت کی ہے، ضعف کے باوجود ان کی حدیثیں لکھی جاسکتی ہیں۔

خلیفہ مہدی ابومعشر کے علم وفضل کی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس لیے کہ وہ اس کی ماں کے غلام رہ چکے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاقاً حج کے موقعہ پر دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ مہدی نے ان کو اپنے خیمے میں بلایا، ان کی بڑی قدر افزائی کی اور ان کو ایک ہزار دینار بہ طور تحفہ پیش کئے۔ وہ ۱۶۰ھ میں انھیں اپنے ساتھ مدینہ سے بغداد لے گیا اور تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی۔ چنانچہ ابومعشر وہیں قیام پذیر ہو گئے۔

ابومعشر کے شیوخ میں درج ذیل نام مذکور ہیں:

محمد بن کعب القرظی، نافع مولی بن عمر، سعید المقبری، محمد بن المنکدر، ہشام بن عروہ، ابو بردہ بن ابی موسی، موسی بن یسار، محمد بن قیس وغیرہ ۵۳؎

ان کے علاوہ بھی بہت سے علماء سے انہوں نے اکتساب فیض کیا اور علم حدیث میں مہارت حاصل کی۔ انھوں نے ایک علمی حلقہ قائم کیا تھا، جہاں حدیث کا درس دیتے تھے۔

ابومعشر کے حلقۂ درس سے بڑی تعداد نے فیض اٹھایا۔ جن شاگردوں نے ان سے حدیث روایت کی ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

سفیان ثوری، یزید بن ہارون، محمد بن عمر الواقدی، محمد بن بکار، عبد الرزاق، ابونعیم، لیث بن سعد، وکیع بن جراح، سعید بن منصور'' ۵۴؎

ابومعشر کے صرف ایک بیٹے کا ذکر ملتا ہے، جس کا نام محمد بن ابی معشر تھا۔ اس کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی تھی، لیکن وہ مدینہ زیادہ عرصہ تک نہیں رہ سکا، بلکہ اپنے والد کے ساتھ بغداد آ گیا۔ محمد بن ابی معشر بھی صاحبِ علم وفضل تھے۔ چنانچہ انھوں نے علم وفضل اور مغازی پر بہت جلد عبور حاصل کرلیا تھا۔ محمد ننانوے (۹۹) سال کی عمر میں ۲۴۷ھ میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔ ۵۵؎

ابومعشر صاحبِ تصنیف بھی تھے۔ ان کی کتاب المغازی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک ہی کتاب ہے جس کو خلیلی تاریخ اور ابن ندیم کتاب المغازی کہتے ہیں۔ ابن ندیم نے لکھا ہے:

''عارف بالأحداث والسیر وأحد المحدثین، وله من الکتب کتاب المغازی'' ۵۶؎

وہ تاریخ اور سیر کے عارف اور محدث تھے۔ ان کی ایک کتاب المغازی ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے ابومعشر کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''ابومعشر المدینی (م ۱۷۰ھ) ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے۔ ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے۔ محدثین نے روایتِ حدیث میں ان کی تصنیف کا ذکر کیا ہے، لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ اس

فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے'' ۵۷؎

ابومعشر کا شمار قدیم ترین محدثین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے، بالخصوص حدیث ومغازی میں ان کا مرتبہ بلند ہے۔

ابومعشر نے رمضان المبارک ۱۷۰ھ میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا۔ ۵۸؎ خلیفہ ہارون رشید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ بغداد کے مقبرہ کبیرہ میں مدفون ہوئے۔

رجاء السندی

رجا سندی ایک ہندوستانی غلام کے لڑکے تھے۔ وہ تیسری صدی ہجری کے محدث تھے۔ وہ نیشاپور کے شمالی ضلع اسفرائین میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، اسی لیے اسفرائینی کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ابن حجرؒ نے بیان کیا ہے:

''رجاء السندی النیسابوری أبو محمد الاسفرائینی، روی عن أبی بن عیاش وابن المبارک وابن عیینة وابن ادریس وحفص بن غیاث غیرهم'' ۵۹؎

ابومحمد رجاء سندی نیشاپوری اسفرائینی نے ابوبکر بن عیاش، عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عینیہ، ابن ادریس اور حفص بن غیاث وغیرہ سے روایت کی۔

رجاء سندی نے خراسان میں مشہور ومعروف محدثین سے درس لیا۔ انھوں نے اپنی تعلیمی زندگی کا بیش تر وقت کوفہ میں بسر کیا اور فن حدیث میں کمال پیدا کیا۔ یہاں تک کہ انہیں محدثین میں شمار کیا جانے لگا۔ وہ بڑے عابد وزاہد، متقی اور عبادت گزار شخص تھے۔ حدیث سے ان کو خاص شغف تھا۔ ان کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے:

''رکن من أرکان الحدیث'' ۶۰؎

وہ حدیث کے ارکان میں سے تھے۔

رجاء سندی نے علم حدیث کی اشاعت میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ علم حدیث میں عبور حاصل کرنے کے بعد اپنے شہر اسفرائین واپس چلے گئے تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے اپنے خاندان کے لوگوں کو حدیث کی تعلیم کی طرف متوجہ کیا، چنانچہ ان کے خاندان میں بہت سے حفاظ حدیث ہوئے۔

رجاء سندی کے صاحب زادے کا نام محمد تھا۔ وہ اپنے والد سے حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بلخ چلے گئے اور وہاں کے علماء سے استفادہ کیا۔ اس کے بعد حج کے لیے مکہ گئے اور وہاں کے علماء ومحدثین سے علم حاصل کیا۔ حج سے واپسی کے وقت بغداد گئے اور وہاں کے علماء سے بھی حدیث پڑھی، پھر وہیں درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ کچھ مدت وہاں قیام کے بعد اسفرائین چلے گئے اور وہاں خود کو علمی خدمت کے لیے وقف کردیا۔

رجاء سندی کے پوتے کا نام بھی محمد تھا۔ اس کی پیدائش ۲۰۶ھ میں ہوئی تھی۔ ان کا شمار تیسری صدی ہجری کے ممتاز محدثین میں ہوتا ہے۔ ذہبی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

> ”الحافظ الامام أبو بكر الاسفرائيني مصنف الصحيح ومخرجه على كتاب مسلم، سمع اسحاق بن راهويه واحمد بن حنبل وعلي بن المديني وابن نمير وأبا بكر بن أبي شيبه وأمثالهم، وأكثر الترحال، روى عنه أبو عوانه وأبو حامد بن الشرقي ومحمد بن صالح بن هاني وابن حزم وابو النصر محمد بن محمد وآخرون“[۶۱]

> حافظ امام ابوبکر اسفرائینی صحیح مسلم کے تخریج کنندہ ہیں۔ انہوں نے اسحاق بن راہویہ، امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، ابن نمیر، ابوبکر بن ابی شیبہ اور ان جیسے دوسرے اعلام محدثین سے سماع احادیث کیا۔ یہ کثیر الاسفار تھے۔ ان سے ابوعوانہ، ابو حامد بن مشرقی، محمد بن صالح

بن ہانی، ابن حزم، ابو نصر محمد بن محمد اور دوسرے حضرات نے روایتِ حدیث کی ہے۔

محمد بن محمد بن رجاء حافظ امام تھے۔ وہ اپنے دور کے عظیم محدث تھے۔ بشر بن احمد کا بیان ہے کہ ان کی وفات ۲۸۶ھ میں اسّی سال کی عمر میں ہوئی۔ ۶۲

رجاء کے ہم عصر محدثین میں جن نام ور محدثین کا شمار ہوتا ہے ان میں احمد بن حنبل، بکر بن خلف، ابراہیم بن موسیٰ رازی قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے رجاء سندی سے احادیث سماعت کی ہیں۔ ۶۳

رجاء سندی ایک معتبر اور ثقہ راوی تھے۔ انھیں عربی زبان پر بھی کافی عبور حاصل تھا۔ عربی الفاظ کے صحیح انتخاب اور ادائیگی پر انھیں قدرت کاملہ حاصل تھی۔ بکر بن خلف نے کہا ہے:

"مارأیت افصح منه" ۶۴

میں نے ان سے زیادہ فصیح وخوش بیان مقرر نہیں دیکھا۔

رجاء نے شوال ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ اسمٰعیل لاہوری

شیخ اسمٰعیل لاہوری سلطان محمود کے آخری زمانے میں ۳۹۵ھ میں بخارا سے ہند وستان آئے اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ اسی وجہ سے لاہوری کہلائے۔ ۶۵ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم تھے، نرم مزاج، عدل پرور، صداقت پسند اور علم کے خوگر تھے۔ ان کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ انہوں نے لاہور میں اسلام کی اشاعت کی۔ وہ حدیث وتفسیر کے جامع البحرین اور بڑے مؤثر البیان تھے۔ ان کا درس سننے کے لیے لوگ بہت بڑی تعداد میں دور دور سے آتے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

وہ حدیث سے محبت وعقیدت کے پر جوش جذبے سے سرشار تھے۔ چنانچہ ان کے زمانے میں لاہور حدیث کا ایک مرکز بن چکا تھا۔ شاہد حسین رزاقی نے لکھا ہے:

"سمعانی نے کتاب الانساب میں جہاں ان محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے لاہور میں زندگی بسر کی اور اس شہر سے نسبت رکھتے تھے۔ وہاں شیخ اسمٰعیل کا بھی تذکرہ کیا ہے۔۶۶ ان کی وفات ۴۴۸ھ میں ہوئی اور وہ لاہور کے باہر جنوب کی طرف مدفون ہوئے۔۶۷

حواشی ومراجع

۱۔ سید سلیمان ندوی ،عرب و ہند کے تعلقات، مشعل بکس، بلاک نیو گارڈن ٹاون، لاہور ۲۰۰۴ئ، صفحہ ۲۷۔

۲۔ محمد اسحق بھٹی، برّصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، مکتبہ ملت دیوبند ۲۰۰۲ئ، صفحہ ۴۱۔

۳۔ بلاذری ،فتوح البلدان،، مطبع مصر از ہر ۱۳۵۰ھ، طبع اول، صفحہ ۴۲۰۔

۴۔ حوالۂ سابق۔

۵۔ عبدالحی الحسنی ،نزہۃ الخواطر، دار ابن حزم، بیروت لبنان ۱۴۲۰ھ، طبع اول، ۱/ ۵۰۔

۶۔ حوالۂ سابق۔

۷۔ ابن حجر عسقلانی، تہذیب التہذیب، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن، ۱۳۲۵ھ، طبع اول، ۱۱/ ۳۵۴ ۸۔حوالۂ سابق ۹۔ حوالۂ سابق ،صفحہ ۳۵۵

۱۰۔ حوالۂ سابق ۱۱۔ حوالۂ سابق ۱۲ ۔ حوالۂ سابق، ۱۱/ ۳۵۴

۱۳۔ ابن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، طبع اول، ۱۳۲۸ھ، ۳/ ۵۳۵، ابن سعد، الطبقات الکبری، دار صادر بیروت ۱۳۷۷ھ، ۷/ ۳۰۔ ۱۴۔حوالۂ سابق، ۳/ ۵۳۶

۱۵۔ حوالۂ سابق، ۳/ ۵۳۵ ۱۶۔الطبقات الکبری، ۳/ ۳۰، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/ ۵۳۶

۱۷۔ ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی، تبع تابعین، دار المصنفین شبلی اکیڈمی ۲۰۰۸ئ، ۲/ ۸۶۔

۱۸۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱، تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱۔

۱۹۔ ذہبی، میزان الاعتدال، ۱/ ۹۷، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱، تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱۔

۲۰۔ تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱۔ ۲۱۔حوالۂ سابق

۲۲۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱۔ ۲۳۔ تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۱۔

۲۴۔ حوالۂ سابق ۲۵۔بحوالہ فتح الباری، ۵/ ۲۵۔

۲۶۔ حاتم الرازی، الجرح والتعدیل

۲۷۔ الطبقات الکبری، ۲/ ۲۲۷، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵، تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۴۷۔

۲۸۔ خیرالدین الزرکلی، الاعلام، ۳/ ۳۹، عمر رضا کحالہ، معجم المولفین، ۴/ ۱۵۱، التراث العربی، طبع دوم
۲۹۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۴۷، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵۔ ۳۰۔ حوالۂ سابق
۳۱۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵۔ ۳۲۔ حوالۂ سابق ۳۳۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۴۸۔
۳۴۔ حوالۂ سابق، میزان الاعتدال، ۱/ ۳۳۴، طبع اول ۱۳۲۵ھ
۳۵۔ میزان الاعتدال، ۱/ ۳۳۴۔
۳۶۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۴۷، میزان الاعتدال، ۱/ ۳۳۴۔
۳۷۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۴۷۔
۳۸۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵، تہذیب التہذیب، ۳/ ۳۴۸۔
۳۹۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۴۸۔
۴۰۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵ تہذیب التہذیب ۳/ ۲۴۸۔ ۴۱۔ حوالۂ سابق
۴۲۔ میزان الاعتدال، ۱/ ۳۳۴ تہذیب التہذیب ۳/ ۲۴۷۔
۴۳۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵۔ ۴۴۔ تبع تابعین، ۲/ ۱۷۲۔
۴۵۔ الطبقات الکبری، ۷/ ۲۷۷۔ ۴۶۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۴۵۔
۴۷۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۵۰، تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۳۵، دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد، دکن ۱۳۸۸ھ، طبع چہارم، ۱/ ۲۳۵ ۴۸۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۴۱۹۔
۴۹۔ نزہۃ الخواطر، ۱/ ۵۰۔
۵۰۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۳۴، الطبقات الکبری، ۵/ ۴۱۸، طبع بیروت ۱۳۷۷ھ
۵۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۳۴ ۵۲۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۴۲۱
۵۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۳۵، تہذیب التہذیب، ۱/ ۴۲۰۔
۵۴۔ تہذیب التہذیب، ۱۰/ ۴۲۰۔ ۵۵۔ حوالۂ سابق ۵۶۔ ابن ندیم، الفہرست، صفحہ ۱۳۶
۵۷۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۴۵۸ھ، ۱/ ۳۵۔
۵۸۔ الطبقات الکبری، ۵/ ۴۸۱، تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۲۳۵، نزہۃ الخواطر، ۱/ ۵۰۔
۵۹۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۶۷۔ ۶۰۔ تہذیب التہذیب، ۱/ ۲۶۱۔
۶۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ۲/ ۲۸۶۔
۶۲۔ حوالۂ سابق ۶۳۔ تہذیب التہذیب، ۳/ ۲۶۸۔ ۶۴۔ حوالۂ سابق
۶۵۔ رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند، مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۴، صفحہ ۱۷۹۔
۶۶۔ حوالۂ سابق
۶۷۔ حوالۂ سابق، مولوی فقیر محمد، حدائق حنفیہ، مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ، ص ۱۹۴۔

مصادرِ سیرت میں 'زادالمعاد' کا مرتبہ

——— ڈاکٹر سید عبدالباری

امام ابن قیمؒ اسلام کی علمی تاریخ کا ایک درخشاں نام ہے۔ 'زادالمعاد فی ہدی خیر العباد'، سیرت کے ذخیرہ میں گراں بہا اضافہ ہے۔ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے ایک ایک پہلو کو قرآن مجید، کتب حدیث اور کتب سیرت کے حوالے سے انتہائی تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس سے آپؐ کی سیرت اور آپ کی تعلیمات دونوں بہت تفصیل سے ہمارے سامنے آجاتی ہیں اور ان سے استفادہ آسان ہو جاتا ہے۔ اس حیثیت سے اسے کتب سیرت میں انفرادی مقام حاصل ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا موضوع ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ قرآن کریم کے بعد آپؐ کی سیرت اور آپ کے ارشادات اسلامی فکر کے بنیادی مآخذ ہیں۔ اصحاب رسول اکرم ﷺ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں اور مختلف زبانوں میں بے شمار کتابیں سیرت پاک کے مختلف پہلوؤں پر لکھی گئیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے مطابق سیرت پر صرف عربی کتابوں کی تعداد انتیس ہزار (۲۹۰۰۰) سے زائد ہے۔ اردو زبان میں پچیس (۲۵) تیس (۳۰) ہزار کے قریب کتابیں سیرت پر لکھی جا چکی ہیں اور اگر انگریزی اور دیگر زبانوں کو بھی شامل کیا جائے تو یہ تعداد ڈیڑھ لاکھ سے اوپر پہنچ جائے گی۔ (محاضراتِ سیرت، اریب پبلیکیشنز نئی دہلی، ص ۵۰-۷)، چنانچہ اس وادی میں قدم رکھنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں سوانح عمری یا بایو گرافی بے حد مقبول صنف ہو رہی ہے اور کسی بھی انسان کے، خواہ وہ کتنا ہی عظیم ہو، احوالِ زندگی لکھنا کوئی مشکل کام نہیں۔لیکن اس فن کے تقاضوں کو بہت کم لوگ پورا کر پاتے ہیں۔انگریزی ادب میں مشہور سوانح نگار باسول کی 'لائف آف ڈاکٹر جانس' خاصی شہرت رکھتی ہے۔ باسول نے تحریروں، تقریروں، مجلسی گفتگوؤں، مذاکروں اور مکالموں کی مدد سے ایک دل نواز پیکر لا کھڑا کیا ہے۔مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے 'محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند اوراق' میں اپنے ہیرو کی نہایت موثر پیرائے میں عکاسی کی ہے۔اڈمنڈ گوز کے الفاظ میں سوانح حیات زندگی کے سفر میں کسی روح کی سچی تصویر ہے۔ یہاں صرف ایک شخص کے حالات کو سلسلہ وار بیان کرنا کافی نہیں، بلکہ انتخابِ واقعات کی بنیادی اہمیت ہے۔یعنی کون سے واقعات ہیرو کی زندگی کے مرکزی نقطے اور اس کے اصل مشن کو نمایاں کرتے ہیں۔سوانح حیات کو ناول کے انداز میں دل کش و فرحت بخش ہونا چاہیے۔زندگی کے صحیح خدو خال سامنے آئیں اور ہیرو کی جیتی جاگتی تصویر آنکھ کے سامنے آجائے۔اختصار و جامعیت لازمی ہے۔واقعات کے انبار میں اپنے موضوع کی مناسبت سے انتخاب بھی ایک بڑا چیلنج ہوتا ہے۔

سیرت سرور عالمؐ کا معاملہ عام انسانوں کی سوانح سے کافی مختلف ہے۔ یہاں ہم ایسی شخصیت پر قلم اٹھاتے ہیں جس کی زندگی کے ایک ایک عمل میں حکمت و موعظت کا سمندر پوشیدہ ہے۔چنانچہ جب رسول اکرم ﷺ کے سیرت نگار کا قلم اٹھتا ہے تو اس کے لیے اخذ و انتخاب کا معاملہ بے حد دشوار ہوتا ہے۔واقعات کی کانٹ چھانٹ اور قطع و برید سخت دشوار ہوتی ہے۔جب ہم ایسی کان میں پہنچ جائیں جہاں ہر طرف ہیرے ہی ہیرے بکھرے ہوئے ہوں تو پھر انسان کی قوتِ انتخاب جواب دے جاتی ہے۔لیکن سیرت نگار بہر حال واقعات کے اوپر قابو پا کر اور ان کی حسنِ تربیت سے ایک مربوط شخصیت کے عرفان تک ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن حکیم اور احادیث دونوں رسول اکرم ﷺ کی شخصیت اور تعلیمات کا

مخزن ہیں۔ محدثین کا زور آپؐ کے ارشادات، افعال و اعمال اور 'تقاریر' پر ہے اور یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیا چیز اسلام کے مزاج کے مطابق ہے اور کیا خلاف ہے؟ کیا چیز سنت کہلائے گی اور کیا اس کے خلاف ہے؟ سیرت نگار آپؐ کے ذاتی طرز عمل، شخصیت اور رویہ پر اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ محمود احمد غازیؒ کے الفاظ میں ''سیرت میں ذات و شمایلِ رسول اصلاً زیر بحث آتے ہیں اور اقوال و افعال پر ضمناً بحث ہوتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ 'سیرت کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے، جس میں سعادت دارین ہے اور ہر وہ شخص جو اپنے لیے سعادت کا طالب ہے، اپنا خیر خواہ ہے، وہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور آپ کے معاملات سے آگاہی حاصل کرنے کا پابند ہے''۔ (محاضراتِ سیرت، ص: ۲۷)

شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ اپنی کتاب **عجالۂ نافعۃ** میں سیرت کی یہ تعریف کرتے ہیں:

> 'رسول اکرم ﷺ کے وجود گرامی سے جو کچھ بھی متعلق ہے، آپ کے صحابہ کرامؓ، اہل بیت اور آل (اولاد) سے جو بھی چیز تعلق رکھتی ہے، رسول اکرم ﷺ کی ولادت مبارکہ سے آپؐ کے دنیا سے جانے تک، ان سب کی تفصیل کو اسلامی علوم وفنون کی اصطلاح میں 'سیرت' کہتے ہیں''۔ (محاضرات سیرت، ص:۱۹)

رسول اکرم ﷺ کے اولین سیرت نگاروں میں عروہ بن زبیر اور موسیٰ بن عقبہ کا اسم گرامی آتا ہے، جن کی تصنیف کو مغازی کہا جاتا ہے اور سیرت بھی۔ بعد میں مغازی اور سیرت الگ الگ موضوعات قرار پائے۔ بقول ڈاکٹر محمود احمد غازی'' آج علم سیرت ایسا وسیع اور جامع علم ہے جس کے متعدد شعبے ہیں۔ علم سیرت کا کینواس اس قدر وسیع ہے کہ اس میں پورے اسلامی تمدن اور تاریخ کے مرحلۂ آغاز، رسول اللہ کے پورے پیغمبرانہ کیریر کا ایک لینڈ اسکیپ ملتا ہے۔ (محاضرات سیرت، ص:۲۲)

مسلمان سیرت نگاروں کو رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے بارے میں

بدگمانی پیدا کرنے اور تاریخی حقائق کو توڑنے مروڑنے کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے بھی مسلسل لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ دسویں صدی ہجری تک آتے آتے سیرت کی کتابیں دس دس بارہ بارہ جلدوں میں لکھی جانے لگیں اور آپ کی ذات گرامی سے متعلق کوئی بات چھوٹنے نہیں پائی، حتی کہ آپ کے استعمال میں کتنے گھوڑے تھے؟ کتنیاونٹنیاں تھیں؟اس پر بھی تفصیل سے لکھا گیا۔غرض رسول اکرم ﷺ سے متعلق معلومات کی وسعت و فراوانی کا یہ عالم ہے کہ ایک سیرت نگار کے لیے یہ بڑا مشکل امر ہے کہ کیا چیز بیان کرے اور کیا چھوڑ دے؟ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی سیرت نگاری سے ہی علم تاریخ کا آغاز ہوا۔آپؐ سے پہلے تاریخ نویسی خرافات، اساطیر اور غیر مرتب مواد پر مشتمل تھی۔(ص ۴۲)

رسول اکرم ﷺ نے ایک بدوی معاشرہ میں ایک نہایت مختصر عرصہ میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا۔انھیں ایسا مہذب اور انسانیت کی اعلیٰ قدروں کا چلتا پھرتا نمونہ بنا دیا کہ دنیا آج تک حیرت میں ہے۔ مدینہ کی آٹھ سالہ تربیت نے کیسے یہ انقلاب برپا کیا؟ اس کی تفصیلات کا پتہ لگانا ایک سیرت نگار کا فریضہ ہے۔ بقول علامہ اقبال ''کس طرح اس مختصر عرصہ میں توحید ایک زندہ قوت بن گئی؟ اور کیسے اس کے ثمرات ہر طرف پھیل گئے؟ یہ بڑا فکر انگیز موضوع ہے، جس پر سیرت نگار کی توجہ مرکوز ہوتی ہے''۔ ہر طرف رگ رگ میں رچے بسے شرک کی جڑ بنیاد سے ختم کر دینا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا اور آج تیرہ صدیاں گذرنے کے بعد بھی سیکولرزم اور لامذہبیت کی آندھی میں بھی بہ ظاہر کوئی مسلمان لاکھ سیکولر بننے کی کوشش کرے، لیکن اس کے خمیر میں اور اس کے ضمیر کے دریچوں میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے چراغ کی روشنی کبھی نہ کبھی بھڑک اٹھتی ہے۔

سیرت نگاروں نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان، قبیلہ، اولاد، خادم خادمائیں، آپ کے عادات وخصائل، ازواج مطہرات، آپؐ کے غلام، آپؐ کے اسلحے، جانور، حتی کہ آپؐ کے لباس اور نعلین مبارک پر بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔ بہ قول محمود احمد غازیؒ

''آپ کے نعلین مبارک پر پچاس (۵۰) کتابیں لکھی گئیں۔ ہمارے ملک کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہاں دسویں صدی عیسوی میں شیخ ابوجعفر دیبلی نے رسول اکرم ﷺ کے مکاتیب اور دستاویزات پر ایک کتاب لکھی۔ دبیل اس عہد میں کراچی کا قدیم نام تھا، یا سندھ کی کوئی بستی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں ان کا انتقال ہوا''۔ (ص ۸۵)

طب نبویؐ، لوک سیرت، تعلیماتِ سیرت، روحانیاتِ سیرت، ادبیاتِ سیرت، اجتماعیاتِ سیرت، نفسیاتِ سیرت، دلایلِ نبوت، جغرافیہ سیرت اور مصادر سیرت پر بہ کثرت کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ان موضوعات اور دیگر پہلوؤں پر ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے الفاظ میں لاکھوں صفحات لکھے گئے۔ ہم محض اندازے سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے، صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اس کے حبیبؐ کی سیرت اور پیغام پر کتنا اور کیا کچھ لکھا گیا اور آئندہ کتنا لکھا جائے گا۔ اس سارے ذخیرہ کو متعین اسالیب میں تقسیم کرنا بڑا دشوار ہے۔ (ص ۱۹۶)

اس وقت سیرت پر ساتویں صدی ہجری کے ممتاز صاحب قلم علامہ ابن قیمؒ کی معرکہ آرا تصنیف 'زاد المعاد' سامنے ہے۔ علامہ ابن قیمؒ دمشق میں ۶۹۱ ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ علامہ ابن تیمیہؒ کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے، جو ان کے زندگی بھر کے ساتھی تھے، ان کے ساتھ قید خانے میں بھی رہے اور میدانِ جہاد میں بھی ان کا ساتھ دیا اور علم وفکر کی ان بلندیوں تک پہنچے کہ قاضی برہان الدین کے الفاظ میں ''اس آسمان کے نیچے کوئی بھی ان سے وسیع العلم نہ تھا''۔ وہ فن تفسیر میں ماہر اصول، دین کے رمز شناس تھے، حدیث وفقہ پر گہری نظر رکھتے تھے۔ استنباط واستخراج مسائل میں یکتائے روزگار تھے، آدابِ سحر گاہی سے آشنا، صبر وشکر کے زیور سے آراستہ، شعر وادب کا اعلیٰ مذاق رکھنے والے تھے۔ انھیں متعدد علوم میں مہارت حاصل تھی، خاص طور پر علم تفسیر اور علم حدیث میں پایے کے عالم تھے۔ انھوں نے اپنے استاد ابن تیمیہؒ کی علمی خدمات کی توسیع واشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ انھوں نے درجنوں کتابیں لکھیں، جن میں تہذیب سنن ابی داؤد، اعلام الموقعین، مدارج السالکین اور زاد المعاد کو فوقیت حاصل ہے۔ انھیں سنت

رسول اللہ سے خاص شگفتگی تھی، چنانچہ جو چیز بھی انھیں کتاب وسنت کے خلاف نظر آتی اسے مٹانے کی پوری کوشش کرتے۔ سعید احمد قمر الزماں کے بہ قول: ''انھوں نے آں حضرت ﷺ کی حیات مبارکہ کو ایسے انداز میں پیش کیا جو ایک مسلمان کے لیے اسوۂ حسنہ، دلیل منزل، شمع راہ، اسلامی تعلیمات اور ہدایات کا مکمل نمونہ ہو''۔ یہ سچ ہے کہ زاد المعاد کتب سیرت کے بحر زخّار میں سرفہرست رکھی جانے کے لائق ہے۔ مصنف نے سرکار دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ کو بہ طور اسوہ ونمونہ پیش کیا ہے اور اس میں وہ کام یاب ہوئے ہیں۔

زاد المعاد میں ایک سو آٹھ (۱۰۸) ابواب میں جن موضوعات پر شرح و بسط اور معتبر حوالوں کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے ان میں رسول اکرم ﷺ کی عبادات، آپؐ کا انداز بیان اور گفتگو کا طریقہ، گھر میں داخل ہونے کا طریقہ، کھانا کھانے کا طریقہ، سلام کا طریقہ، دوران سفر اسوۂ حسنہ، وساوس کے متعلق سنت طیبہ، غصہ کے وقت کی تعلیمات حسنہ، جہاد وغزوات میں اسوۂ حسنہ، دعوت اسلام کا اسلوب، معراج وہجرت کا واقعہ، مسجد نبویؐ کی تعمیر، قیدیوں کے ساتھ معاملۂ امان، صلح اور جزیہ میں اہل کتاب ومنافقین کے ساتھ معاملہ، غزوۂ بدر، احد، خندق کے واقعات، صلح حدیبیہ، غزوۂ خیبر وحنین کے واقعات، فتح مکہ، غزوۂ تبوک کا ذکر، آپؐ کا طریقۂ جسمانی علاج، آپؐ کا حفظان صحت میں اسوۂ حسنہ، غرض آپؐ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اور اس سے متعلق احکام پر گفتگو کی گئی ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے 'محاضرات سیرت' میں زاد المعاد کو فقیہانہ اسلوب میں ایک معرکہ آرا کتاب قرار دیا ہے۔ اگرچہ دوسری صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے ابتدائی عہد تک سیرت نگاری کا فن نقطۂ عروج تک پہنچ رہا تھا۔ محمد بن اسحٰق، محمد بن عمر واقدی، محمد بن سعد اور عبد الملک بن ہشام جیسے سیرت نگار پیدا ہوئے۔ واقدی بہت بڑے فقیہ وقاضی تھے۔ دوسری صدی ہجری کے اس سیرت نگار نے بہ قول خطیب بغدادی، مشرق سے مغرب تک دنیائے اسلام کے لوگوں سے کسبِ

فیض کیا۔ خوبی یہ تھی کہ صرف مؤرخ اور سیرت نگار کی طرح ان سارے واقعات کا مکمل نقشہ پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ فقیہ و قانون داں کا کردار بھی ادا کیا اور حضور ﷺ کے ہر عمل کی روشنی میں بین الاقوامی قانون کے قواعد وضوابط وضع کیے۔ مغازی اور سیرت نبویؐ کے بارے میں تمام مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ مغازی کے بارے میں ان سے زیادہ جاننے والا کوئی اور نہ تھا۔

آٹھویں صدی ہجری تک آتے آتے فن سیرت نگاری عروج کی آخری منزلوں تک پہنچ گیا اور علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد جیسی اعلیٰ درجہ کی کتاب تصنیف کی۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس بارے میں بجا طور پر رقم طراز ہیں: ''یہ کتاب نہ صرف سیرت میں، بلکہ شاید ادبیاتِ اسلامی کی چند منتخب روزگار اور مایہ ناز کتابوں میں سے ہے۔ اس طرح کی کوئی اور کتاب پورے سیرت لٹریچر میں موجود نہیں ہے۔ علامہ بہت بڑے فقیہ تھے۔ ان کا غیر معمولی تفقہ ان کی کتاب 'اعلام الموقعین' سے ظاہر ہے۔ بہت بڑے محدث تھے۔ ابن تیمیہؒ کے قریب ترین، بلکہ سب سے نمایاں شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا مطالعۂ قرآن اتنا غیر معمولی تھا کہ اس کے بعض ایسے پہلوؤں پر ان کی کتابیں ہیں جن پر پہلے کسی نے نہیں لکھا۔ قرآن پاک کی بدائع پر، اقسام پر، امثال پر بہت عالمانہ انھوں نے کام کیا ہے۔ زاد المعاد میں سیرت کے تمام واقعات کو جمع کر کے یہ بتایا ہے کہ زندگی کے مختلف گوشوں کے بارے میں عام مسلمانوں کے لیے اس میں کیا ہدایات ہیں؟ حقیقت کے اعتبار سے سیرت اور فقہ کو اس طرح سے ملا دیا ہے کہ دونوں کو الگ کرنا اس کتاب کی حد تک تو ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ سیرت کے ہر واقعہ کو فقہ کے حکم سے جوڑا ہے اور فقہ کے ہر حکم کو سیرت سے وابستہ کیا ہے۔ اس طرح فقہیاتِ سیرت کی سب سے اونچی کتاب اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ (ص ۲۹۰)

امام غزالی نے فقہ النفس کی اصطلاح استعمال کی ہے، یعنی انسانی نفسیات کا علم، انسانی رجحانات کا اندازہ، مزاج وطبیعت کی تحقیق اور مطالعہ۔ اس موضوع پر علامہ ابن قیمؒ کی کتاب لاجواب ہے۔ انھوں نے، بہ قول ڈاکٹر محمود احمد غازی، سیرت

کے حوالے سے بعض ایسے حقائق بیان کیے ہیں جن کی پہلے کسی نے اس انداز سے وضاحت نہیں کی۔ (ص ۲۹۰) ابن قیم نے روحانیت اور تصوف کے بعض اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً توکل کے موضوع پر وہ اس کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں ،یعنی توکل کہاں کرنا چاہیے اور کہاں نہیں؟ ترکِ اسباب کا نام توکل نہیں، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ نے اسباب اختیار کیے۔ صحابہ کرام بھی توکل کی اونچی منزل پر تھے، لیکن وہ اسباب سے غافل نہیں ہوئے۔ ابن قیمؒ نے ان تمام پہلوؤں پر سیرت کی روشنی میں غور کیا ہے اور بڑی متوازن رائے قائم کی ہے۔ جگہ جگہ توکل، صبر اور شکر جیسے عنوانات پر سیرت کی روشنی میں گفتگو کی ہے۔

اس کتاب میں سیرت سے متعلق کوئی موضوع چھوٹا نہیں ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ رہ نہیں گیا ہے۔ نماز، عبادات، خاندانی زندگی، پرائیویٹ لائف، تجارت، بین الاقوامی تعلقات، لین دین اور جنگ کے پہلوؤں پر رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔ انسان کی معاشرتی، اجتماعی زندگی اور تہذیب وثقافت کے بارے میں ہدایات موجود ہیں۔ غرض تمام ضروری فقہی معلومات حضورؐ کے شب و روز کی روشنی میں مہیا کرائی گئی ہیں۔ صاحب 'محاضرات سیرت' نے بجا طور پر زاد المعاد کی تحسین کے ضمن میں لکھا ہے: ''اس کتاب کو پڑھنے سے یوں لگتا ہے، جیسے یہ ایک سہ آشتہ ہے، جو ابن قیم نے تیار کیا ہے۔ اس میں سیرت کی پاکیزگی بھی ہے۔ سیرت پڑھتے وقت انسان اپنے دل میں جو روحانی لذت محسوس کرتا ہے وہ تو ہے ہی، اس میں حدیث کے فن کو اور استناد کو پورے طور پر شامل کر دیا گیا ہے۔ ابن قیم خود بڑے محدث ہیں۔ کسی ایک لفظ کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ غیر ذمہ دارانہ طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ایک بیان محدثین کے مکمل احتیاط کا نمونہ ہے۔ فقہ النفس، فقہ المعاملات، فقہ السیرۃ، ان میں سے ہر چیز کے بارے میں ایسے توازن سے بیان کیا ہے جس میں محدثین کی باریک بینی، فقہا کی جزرسی اور اعتنا بالتفصیل اور اصحاب سیرت کا سا جذبۂ حب رسول، یہ ساری چیزیں بہ یک وقت موجود ہیں۔ (ص ۲۹۲)

زاد المعاد ایک صاحب بصیرت اور دین کا گہرا فہم رکھنے والے مصنف کا کارنامہ ہے۔ ان کا انداز یہ ہے کہ پہلے سیرت کا واقعہ بیان کرتے ہیں، پھر اس واقعہ سے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں، پھر ان احادیث سے نکلنے والے فقہی مسائل کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے بعد 'فصل فی فقه هذا الباب' کے عنوان کے تحت اس باب کے اصل فہم اور درک پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اس میں کیا کیا حکمتیں موجود ہیں؟ یعنی دروس و بصائر اور عبرتیں کیا ہیں؟ اور اس کے دقیق پہلو کیا ہیں؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک چھوٹے سے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ایک روایت ہے کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا کہ یہودیوں نے کیوں روزہ رکھا ہے؟ جواب دیا گیا کہ آج کے دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائی تھی تو شکرانہ کے طور پر وہ روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ کی نجات اور کامیابی کی یاد میں روزہ رکھنے کا زیادہ حق تو ہمیں حاصل ہے۔ آپؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا: تم بھی روزہ رکھا کرو۔ یہ ایک طویل روایت ہے۔ اس وقت سے مسلمان عاشوراء کا روزہ رکھتے چلے آرہے ہیں۔ پہلے یہ فرض تھا۔ جب رمضان کے روزے آئے تو عاشوراء کے روزہ کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لیکن شروع سے یہ سوال زیر بحث رہا ہے کہ مسلمان جو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں تو اس کی تاریخ کیا ہے؟ عام طور پر مسلمانوں میں یہ مشہور ہے کہ دس محرم کو عاشورہ ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ محرم صفر عربی مہینے ہیں۔ یہودیوں کے یہاں یہ کلینڈر رائج نہیں ہے۔ یہودی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ عاشورہ ان کے کلینڈر کے مطابق پہلے مہینے تشری کی دس تاریخ ہے۔ اس دن حضرت موسیٰؑ کی قوم کو فرعون سے نجات ملی تھی۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کیا یہودی سال کے پہلے مہینے تشری کی دس تاریخ تھی؟ رسول اللہ ﷺ تو ربیع الاول میں تشریف لائے تھے۔ اب یہ بحث بہت عرصے تک رہی ہے کہ عاشوراء کے روزے سے کیا مراد ہے؟ کیا یہودیوں کا دس تشری کا روزہ مراد ہے یا دس محرم مراد

ہے؟ بہت سے لوگوں کی رائے ہے کہ اس سے دس محرم مراد ہے۔ بہت سے لوگوں کی رائے میں دس محرم مراد نہیں۔ دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ ابن قیم نے اس بحث کو زاد المعاد میں شامل کیا ہے اور اپنی رائے دی ہے۔ اسی طرح اور واقعات، جو اصلاً سیرت کے واقعات ہیں، لیکن ان سے کسی فقہی معاملہ کو سمجھنے اور طے کرنے میں مدد ملتی ہے، اس لیے ابن قیم نے ان سے بحث کی ہے'' (ص ۲۹۳)

زاد المعاد میں جہاد و مغازی پر مفصل گفتگو کی گئی ہے اور پوری ایک جلد اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ یہ کافی ضخیم جلد ہے اور اس کے متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ عنوان تاریخ اسلام میں کافی موضوع گفتگو رہا ہے۔ مغرب نے اور کچھ کم فہم لوگوں نے جہاد کے بارے میں کافی غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ عصر رواں میں مغرب کے کچھ اسلام دشمن عناصر نے جہاد کو دہشت گردی اور بے قصوروں کے قتل عام کے ہم معنیٰ قرار دیا ہے۔ بیسوی صدی کے آغاز میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے 'الجہاد فی الاسلام' جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر جہاد کی پاکیزہ روح کو واضح کیا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے لفظ جہاد کے تناظر میں جہاد بالنفس، جہاد بالشیطان، جہاد بالکفار اور جہاد بالمنافقین پر احادیث کی روشنی میں الگ الگ تشریحات کی ہیں۔ جہاد کیسے ہوتا ہے؟ اور کیسے ہونا چاہیے؟ اس کے احکام کیا ہیں؟ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے واقعات بھی لکھے ہیں اور قانون بھی بیان کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے پبلک انٹرنیشنل لا اور پرائیویٹ انٹرنیشنل لا کی وضاحت کی ہے۔ مغرب کا یہ خیال کہ انھوں نے سب سے پہلے پرائیویٹ انٹرنیشنل لا کا تصور دنیا کو دیا، یعنی کسی ملک کے اندر دو ممالک کے قوانین کے اندر تعارض کی شکل میں کیا موقف اختیار کیا جائے؟ اس پر سب سے پہلی کتاب ابن قیم کی ہے جو بحث کرتی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے 'احکام اھل الذمۃ'، جو کہ دو جلدوں میں ہے۔ اس میں وہ تمام مسائل اٹھائے گئے ہیں جو پرائیویٹ اور انٹرنیشنل لا میں اٹھائے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر، بہ قول ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ، ان کی کتاب قدیم ترین اور مستند ترین

ہے۔ انھوں نے مغازی سے جس طرح کے احکام نکالے ہیں وہ شاید کوئی اور سیرت نگار نہیں نکال سکتا۔ (ص ۲۹۵) تقریباً چھ سو (۶۰۰) صفحات میں مغازی، جنگوں اور مہمات کی تفصیل بیان کی ہے۔ پچھلے چھ سو سالوں کا سارا کام ان کے پیش نظر تھا۔ اس لیے ان کا ایک ایک لفظ مستند ہے۔ انھوں نے اس معاملے میں ممتاز سیرت نگار واقدی سے کافی استفادہ کیا ہے اور غزوات کی تفصیلات احادیث سے اخذ کی ہیں۔

اس کتاب میں روحانیاتِ سیرت کا ایک پہلو خاصا دل کش ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ مزکّی و مربی تھے۔ اگر چہ وہ فوجیوں کی قیادت کرتے تھے، حکومت کے سربراہ تھے، سفیروں و گورنروں کی تقرری کرتے تھے، لیکن آپ کا بنیادی مشن تربیت، اخلاق اور کردار سازی تھا۔ اس کی وجہ سے آپ کو ایسے افراد حاصل ہوئے تھے جو حکومت و اقتدار کی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی اٹھا سکتے تھے۔ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں تزکیۂ نفس کو جگہ جگہ موضوعِ گفتگو بنایا ہے اور سرکار دوعالم ﷺ کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے اسلوب پر روشنی ڈالی ہے۔ انسان کی روحانی بلندی کے کیا مسنون طریقے ہیں؟ اور کون سی چیزیں اسلام کے مزاج سے میل کھاتی ہیں؟ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ زاد المعاد میں حضور ﷺ کے شق صدر کے واقعہ پر انھوں نے تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے شرح صدر کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے، یعنی شرح صدر سے کیا مراد ہے؟ شق صدر کیسے ہوا؟ اور اس کے اسباب کیا تھے؟ کیسے حضور ﷺ کے سینے کو کھولا گیا؟ (**الم نشرح لک صدرک**) سینے کو کھولنے کی کیا شکل ہے؟ یہ صوفیہ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ زاد المعاد میں ابن قیم نے اس پر تفصیل سے لکھا ہے اور اس سے ڈاکٹر محمود احمد غازی کے الفاظ میں سیرت کے روحانی پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔

غرض ابن قیمؒ کی کتاب زاد المعاد، صاحب 'محاضرات سیرت' کے الفاظ میں، بہ یک وقت حدیث، فقہ، سیرت، روحانیت اور تصوف سمیت ہر فن کی کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے سیرت کے واقعات کو اس طرح بیان کیا ہے جس سے روز مرہ کی زندگی کے لیے مفصل رہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کا چھینکنے کا

طریقہ، عقیقہ کا طریقہ، قربانی کے جانور کے انتخاب کا طریقہ، گھر میں داخل ہونے کا طریقہ، کھانا کھانے کا طریقہ، سلام اور اس کے جواب کا طریقہ، خواب دیکھنے کے متعلق اسوۂ حسنہ، وساوس کے متعلق سنت طیبہ، غصہ کے وقت تعلیمات حسنہ، آپ کے نزدیک ناپسندیدہ الفاظ وکلمات، ہدایا وتحائف قبول کرنے کا طریقہ وغیرہ۔

زادالمعاد کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کے الفاظ میں ''یہ کتاب کتب خانے میں بیٹھ کر نہیں'' بلکہ حالت سفر میں لکھی گئی ہے۔ غالباً وہ حج کرنے جارہے تھے، اس دوران میں اسے تحریر فرمایا۔'' اس وقت لوگوں کے حافظے کا کیا عالم تھا؟ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر ہمارے محدثین کا حافظہ ایسا تھا کہ وہ اپنی یادداشت سے علم رجال اور روایات کا دریا بہادیتے تھے۔

سیرت کے بہت سے امور کا تعلق علم کلام سے ہے، یعنی ان کے معانی کی گرفت کے لیے علم کلام کی مدد حاصل کرنی ہوتی ہے اور اس کے مباحث میں گئے بغیر ان کی گرفت مشکل ہوتی ہے۔ ان امور میں نبوت ورسالت کی حقیقت، وحی کی حقیقت، ختم نبوت، کلام الٰہی کی حقیقت، معجزات ومعراج کی حقیقت، مسئلہ عصمت انبیاء وغیرہ۔ تیسری صدی ہجری سے سیرت کے واقعات وموضوعات کا عقلی انداز سے مطالعہ کیا جانے لگا۔ ان دنوں یونانی علوم کے بڑے پیمانے پر عربی میں تراجم ہوئے۔ مسلمان اہل علم یونانی فلسفہ ومنطق سے متاثر ہوئے اور بہت سے معاملات پر یونان کے اسلوبِ غوروفکر اور انداز بیان استدلال کو اختیار کرنے لگے اور بڑے پیمانے پر اہل علم میں یونانی فکر وفلسفہ سے مرعوبیت نمایاں ہونے لگی اور اسلامی عقائد کے بارے میں سوالات اٹھائے جانے لگے۔ اس وقت علماء اسلام نے اعتراضات کا جواب دیا اور یہ بحث سیرت کے عام تاریخی وفقہی اور قانونی امور کے دروازے پر دستک دینے لگی۔ چنانچہ نبوت ورسالت کے دلائل وشواہد پر تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا اور خالص عقلی دلائل کی روشنی میں وحی والہام اور نبوت ورسالت پر گفتگو شروع ہوئی اور یہ بحثیں سیرت نگاری کا حصہ بن گئیں۔ امام غزالیؒ نے اس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے، جنھوں

نے خالص دینی مصادر سے کام لے کر عقلی دلائل و اسلوب سے روحانیات و اخلاقیات کو جامع انداز میں پیش کیا۔ ان کی کتاب 'معارج القدس' فلسفۂ نبوت اور وحی و الہام کے بارے میں انتہائی وقیع کارنامہ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے مذکورہ بالا مسائل پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ انھوں نے صاحب 'محاضرات سیرت' کے الفاظ میں، سیرت کی علمی رہ نمائی، سیرت کی فقہیات، سیرت کی روحانیات اور قانونیات پر مفصل گفتگو کی۔ کلامیاتِ سیرت کے بہت سے مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ حضور ﷺ کے معجزات، خاص طور پر معراج اور اسراء کی نوعیت و کیفیت کو موضوعِ گفتگو بنایا ہے۔ یہ مسئلہ خاصا زیر بحث رہا ہے کہ معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ کچھ لوگوں نے معراج کی نوعیت کو بس ایک خواب قرار دیا ہے، یعنی جس طرح لوگ خواب دیکھتے ہیں، اس طرح حضور ﷺ نے بھی خواب دیکھا اور آپ کو وہ سارے مناظر دکھائے گئے۔ لیکن علماء امت کا غالب ترین طبقہ اس کا قائل رہا ہے کہ معراج کا واقعہ کوئی خواب نہیں تھا، ورنہ پھر اسے معجزہ کیوں قرار دیا جاتا؟ قرآن حکیم میں اسے غیر معمولی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا: ''پاک ہے وہ ذات جو راتوں رات اپنے بندے کو اس مسجد تک لے گئی''۔ لیکن حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس رات آپ کا جسم موجود رہا۔ ابن قیمؒ نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے اور نفسیات، روحانیات، عقلیات و منطق کے دلائل سے بتایا ہے کہ اگر یہ روایت صحیح ہے کہ آپ کا جسم مبارک موجود رہا تو اس کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ کی روح مبارک کو لے جایا گیا تھا۔ اس صورت میں بھی یہ خواب سے بہت مختلف چیز ہے۔ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے کوشش کی ہے کہ ان تمام احادیث کو جمع کر دیں جو معراج کو خالص جسمانی واقعہ قرار دیتی ہیں اور ان احادیث سے اس کی تطبیق کریں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں، جن میں اس کو روحانی واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ اس روحانی واقعہ کو خواب سے قطعاً مختلف قرار دیں اور دونوں میں جو عظیم فرق ہے اس کو واضح کریں۔ اس ضمن میں انھوں نے نفس و روح پر

عمدہ بحث کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انبیائے کرام کے جسم مبارک کا ان کی روح سے کس نوعیت کا تعلق ہوتا ہے۔ ابن قیمؒ کی ذہانت کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ وہ نفسیات، روحانیات، کلام اور فلسفہ کا دل کش امتزاج پیش کرتے ہیں۔ کلامیاتِ سیرت پر بیسویں صدی میں سب سے عمدہ کتاب سیرت النبیؐ ہے، جسے علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاد علامہ شبلی نعمانیؒ کے نقش قدم پر چل کر پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ ایک ممتاز فقیہ بھی تھے۔ ان کے اس علم نے زاد المعاد کا رتبہ دیگر کتبِ سیرت سے بالاتر کر دیا ہے۔ فقہ سے مراد ہے گہرا اور عمیق فہم۔ ایک فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ اسے قرآن پاک کا، آپؐ کی سنت مبارک، آپؐ کی سیرت طیبہ کا گہرا فہم ہو، تاکہ شریعت کے قوانین و احکام کی وضاحت کر سکے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے الفاظ میں ''بیسویں صدی عیسوی میں مطالعۂ سیرت کا ایک نیا انداز 'فقہ السیرۃ' کے عنوان سے سامنے آیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ سیرت کے واقعات و تفصیلات میں جو سبق پنہاں ہیں ان کو نمایاں کیا جا سکے۔ اس موضوع پر سب سے زیادہ مفصل جامع اور مستند کتاب علامہ ابن قیمؒ کی زاد المعاد ہے۔ انھوں نے سیرت کے تمام پہلوؤں کو ایک ایک کر کے بیان کر دیا ہے، پھر ان سے جو فقہی احکام نکلتے ہیں وہ بیان کیے ہیں۔ جو دروس اور عبرتیں کسی سبق میں پنہاں ہیں وہ بیان کی ہیں۔ حتیٰ کہ غزوات کے بیان کے بعد جنگی قانون کے احکام تو نکالے ہی ہیں، معاہدات اور صلح کے احکام بھی بیان کیے ہیں، جزوی اور انفرادی معاملات کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔ بہت سے اخلاقی پہلو بھی بیان کیے ہیں''۔

مثال کے طور پر غزوۂ احد کے واقعات لکھنے کے بعد وہ سولہ (۱۶) احکام کی نشان دہی کرتے ہیں جو اس واقعہ سے نکلتے ہیں۔ پھر ایک باب میں انھوں نے اس غزوہ میں جو دروس اور عبرتیں پنہاں ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کی جو حکمتیں ہیں ان کو بیان کیا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کی نوعیت و حقیقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یعنی یہ فتح جنگ کے نتیجہ میں تھی یا صلح کے نتیجہ میں؟ دونوں شکلوں کے

الگ الگ احکام بیان کیے ہیں۔ اس معاملہ میں فقہاء نے الگ الگ موقف اختیار کیا ہے۔ غرض فہم سیرت کے موضوع پر یہ کتاب منفرد ہے۔

علامہ ابن قیمؒ حقائق و واقعات کے ایک مرقع نگار ہیں۔ اس کے لیے وہ ایک ایک جزوی بات کو بھی اس دل کشی سے بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا محو ہو جاتا ہے۔ عربی سے دیگر زبانوں میں ترجمہ کے بعد بھی وہ جاذبیت برقرار ہے جو اصل متن میں ہے۔ ہم نے بہت سی سوانح دیکھیں، سوانحی ناولوں اور خود نوشتوں پر بھی نظر ڈالی، ان میں وہ دل کشی کہاں جو ابن قیمؒ کے سراپا خلوصِ قلم سے نکلی ہوئی ان تفصیلات میں ہے جو وہ تاریخ کی سب سے دل کش شخصیت کے بارے میں پوری احتیاط سے بیان کرتے ہیں۔ یہاں حقائق ہی حقائق ہیں، مبالغہ کا کوئی دخل نہیں، قیاسات اور داستان طرازی کی کوئی گنجائش نہیں، معتبر ترین راویوں کی بیان کی گئی تفصیلات ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ چھ سو سال سے یہ حضور ﷺ کی سب سے مقبول داستانِ حیات ہے۔ ایک دو اقتباسات سے آپ اس کی جاذبیت کا خود اندازہ کریں۔

> ''انصار نے جلدی جلدی ہتھیار سنبھال لیے، تاکہ رسول اللہ ﷺ کا شایان شان استقبال کریں اور اہلا وسہلا مرحبا کی یہ آوازیں بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں گونجنے لگیں اور مسلمانوں نے آپؐ کی تشریف آوری کی خوشی میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور شان نبوت کے مطابق خوش آمدید کہا۔ انھوں نے پروانوں کی طرح آپ کو گھیر لیا۔ اس موقع پر آپ مکمل سکون وطمانینت سے تھے اور اس آیت کریمہ کا نزول ہو رہا تھا: **فان اللہ ھو مولہ وجبریل وصالح المومنین و الملکئۃ بعد ذلک ظھیر** (بے شک اللہ ہی اس کا رفیق ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔) اونٹنی بنونجار کے محلہ میں، جہاں آپ کا ننہال تھا، جا کر رکی، حضرت ابو ایوب انصاریؓ آگے بڑھے اور آپ کا کجاوہ اپنے گھر میں داخل کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا:''

آدمی اپنی سواری کے کجاوہ کے ساتھ رہتا ہے''۔ اس موقع پر قیس بن حرمہ نے جو اشعار کہے تھے اسے بھی نقل کیا گیا ہے۔

ابن قیمؒ اس کتاب میں زیادہ زورِ قلم فقہی پہلو پر صرف کرتے ہیں اور ایک واقعہ سے جو احکام حاصل ہوتے، ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مثلاً صلح حدیبیہ کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد اس سے انھوں نے اکتیس (۳۱) احکام مستنبط کیے ہیں۔ اسی طرح غزوۂ خیبر سے تیرہ (۱۳) احکام مستنبط کیے ہیں۔ اس طرح پوری کتاب سے رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ساتھ زندگی کے مختلف امور میں کیا شرعی موقف ہے؟ اس کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

غرض زاد المعاد سیرت کے موضوع پر آٹھویں صدی ہجری کی ایک معرکہ آرا تصنیف ہے، جسے مصادر سیرت میں آج تک ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ سیرت کے موضوعِ گزشتہ چھ سو (۶۰۰) برسوں میں جن حضرات نے قلم اٹھایا ہے، انھوں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

☆☆☆

علامہ ابنِ تیمیہؒ کا منہج اصلاح وتجدید

ڈاکٹر محمود احمد

شیخ الاسلام ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیمؒ (۶۶۱ھ ۔ ۷۲۸ھ / ۱۲۶۳ئ۔ ۱۳۲۷ئ)، جو ابنِ تیمیہ کے نام سے معروف ہیں، عظیم مجدّدِ اسلام تھے۔ اُن کو فضل و کمالِ علم کی بنا پر مجتہد اور مجدّد قرار دیا گیا ہے۔ اُنہوں نے ایسی وقیع کتب تصنیف کیں کہ جس کو بھی ان سے اِستفادہ کا موقع ملا وہ اُنہی کا ہو کر رہ گیا۔ اُن کے تقریباً تمام ہم عصر اور متاخر علماء نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور ان کی وسعتِ علمی کو تسلیم کیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی مساعی جمیلہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اُنہوں نے مختلف جہات اور میدانوں میں اصلاح وتجدید کا فریضہ سرانجام دیا ہے اور اپنے معاشرے کی خرابیوں اور برائیوں کا خوب قلع قمع کیا ہے۔ اس مقالے میں ان کی خدماتِ اصلاح و تجدید کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

منہج ابنِ تیمیہ کے بنیادی اصول

علامہ ابنِ تیمیہ نے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات، سیاسیات اور مختلف اسلامی علوم میں اصلاحی وتجدیدی کارنامے سرانجام دیے۔ ان کی ساری زندگی اصلاحی وتجدیدی مساعی میں گزری اور اس راستے میں ان کو بہت سی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ ہر مشکل میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔ اصلاح وتجدید کے سلسلے میں ان کے یہ کارہائے نمایاں کوئی غیر مرتبط اور اتفاقی کوششیں نہیں تھیں، بلکہ ان کی بنا

چند بنیادی اُصولوں پر تھی۔ انھیں اُن کا 'منہج اصلاح وتجدید' کہا جا سکتا ہے، کیوں کہ اُن کی ساری جدوجہد کی بنیاد اور اس کا مرکز ومحور یہی اُصول تھے۔ اُن کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا ہر صاحب بصیرت اِن اُصولوں کو اُن کی زندگی میں کارفرما دیکھ سکتا ہے۔ ان کا یہ منہج اصلاح وتجدید بنیادی طور پر سلف ہی سے ماخوذ ہے، لیکن ان کے کام میں اس منہج کے تفصیلی خدوخال واضح ہوئے ہیں۔ یہ بنیادی اُصول مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا اُصول: ہدایت اور علمِ یقینی کا واحد ذریعہ۔ وحیِ الٰہی

ابن تیمیہؒ کے منہج کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ انسان کے لیے ہدایت کا واحد قابل اعتماد ذریعہ وحی خداوندی ہے۔ عقائد، معرفت الٰہی، تخلیق کائنات سے واقفیت، نظام عبادات اور اخلاقی نظام کا حصول وحی الٰہی ہی سے ممکن ہے۔ صوفیہ کا کشف ووجد اور فلاسفہ کے عقلی دلائل علمِ یقینی تک نہیں پہنچا سکتے اور نہ معرفت الٰہی کا مستند ذریعہ ہیں۔ اگر انسان اپنے خالق، کائنات اور خود اپنے نفس کی پہچان حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کا واحد قابل اعتماد ذریعہ وہ معلومات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعے بھیجی ہیں۔ آپ نے ان فلاسفہ کا پرزور رد کیا جو محض اپنی عقل کے ذریعے خالق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، عقلی دلائل کے ذریعے معرفتِ الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں اور عقل کے گھوڑے دوڑا کر نفسِ انسانی کی حقیقت اور تخلیق کائنات کے رازوں کو منکشف کرنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے موقف کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(الف) وحی کو عقل پر ترجیح دی جائے

آپ نے واضح کیا کہ عقلِ انسانی محدود ہے، لہٰذا وہ لامحدود حقائق کو آشکارا نہیں کر سکتی، فانی عقل لازوال خالق کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتی، لہٰذا انسان کو ان معاملات میں صرف وحی پر اعتماد کرنا چاہیے اور اسی کو حق اور صواب جاننا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:

''حق وباطل، ہدایت وضلالت، رُشد وگم راہی، طریق سعادت ونجات

اور شقاوت وہلاکت میں واضح فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرائع و کتب دے کر اپنے انبیاء کو مبعوث فرمایا ہے یہ ایسا حق ہے جس کی اتباع واجب ہے۔ اسی سے ہدایت، علم، ایمان اور حق و باطل میں فرق حاصل ہوتا ہے۔''[۱]

ایک دوسری جگہ وحی کی اہمیت وضرورت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہاں مقصود یہ ہے کہ دین کے عقلی ونقلی دونوں پہلو رسول اکرم ﷺ سے ہی لیے جائیں اور آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں اس کو ادلّہ یقینیہ و برہانیہ کی بنیاد تسلیم کیا جائے، کیوں کہ آپ کے فرمودات کا اجمال وتفصیل سب برحق ہے۔''[۲]

یعنی عقل کو نقل کے تابع بنانا ضروری ہے، عقل کو رسول اکرم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور اس کے احکام کے مطابق کیا جانا از بس ضروری ہے، وحی کو بہرصورت عقل پر فوقیت دی جائے گی اور بلا وجہ دین کو عقل پر نہیں پرکھا جائے گا، کیوں کہ عقل شریعت کو ثابت کرنے کے لیے اصل کا درجہ نہیں رکھتی۔ ثبوت شرع کے سلسلے میں ایک اور جگہ عقل کے عدم کردار کے بارے میں فرماتے ہیں:

''عقل فی نفسہ شریعت کے ثبوت کے لیے اصل کی حیثیت نہیں رکھتی اور نہ اس کو کوئی ایسی صفت بخشتی ہے جو اس کو پہلے سے حاصل نہ تھی۔ اسی طرح وہ اس کو کمال کی صفت بھی نہیں عطا کرتی۔''[۳]

آپ نے وضاحت کی کہ انسان کی ہدایت اور اس کے ایمان کی پختگی کے لیے اسے جتنے علم کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کے ذریعے اس کو دے دیا ہے اور فلاسفہ جن مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں وہ قرآن میں تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''تمام قسم کے کلامی وفلسفیانہ مسائل، جن میں متاخر متکلمین نے غور وخوض کیا ہے وہ سب بہ وضاحت قرآن مجید میں موجود ہیں''[۴]

(ب) محض عقل کے ذریعے حقائق تک رسائی ممکن نہیں

آپ کا موقف یہ تھا کہ وحی سے ہٹ کر محض عقل کے سہارے حقائق تک رسائی کی کوششیں کرنے والے حقائق سے جاہل ہی رہتے ہیں۔ فلاسفہ وحی کے علاوہ جن چیزوں تک رسائی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ در اصل جہالت اور قصورِ فہم ہے۔ الٰہیات میں فلاسفہ کی کم مائیگی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فلسفہ سے اشتغال کرنے والے فن طبیعیات میں غور وفکر اور تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ اس میدان میں وہ ممتاز نظر آتے ہیں، لیکن الٰہیات میں وہ جاہل محض اور حق سے بالکل نا آشنا ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ارسطو سے جو کچھ منقول ہے اس کی مقدار بہت کم ہے، لیکن اس میں غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔'' ۵؎

اسی طرح سورۂ اخلاص کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

''جہاں تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کا تعلق ہے اس کے بارے میں فلاسفہ بڑے محروم اور نامراد نظر آتے ہیں۔ رہے ملائکہ، اللہ کی کتابیں اور اس کے رسول تو ان کے بارے میں ان کو قطعاً علم نہیں ہے اور اس سلسلے میں ان سے نفیاً اور اثباتاً کوئی چیز منقول نہیں ہے۔'' ۶؎

اس سلسلے میں وہ خصوصاً ارسطو کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ الٰہیات سے بالکل نابلد تھا، کیوں کہ وہ وحی کی دولت سے محروم تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''الٰہیات کے بارے میں جب معلّم اول ارسطو کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ لازماً اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفۂ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا۔'' ۷؎

فلاسفہ کا علم چوں کہ ظن وتخمین پر مبنی ہے اور وہ وحی الٰہی سے بالکل رہ نمائی نہیں لیتے، لہٰذا وحی کی معرفت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے علوم عقلیہ بھی یقینی وقطعی نہیں ہیں، بلکہ اصل علوم عقلیہ، جن کا تعلق معرفت الٰہی اور انسان کی کامیابی سے ہے، فلاسفہ ان سے بالکل محروم ہیں۔ آپ نے ثابت کیا کہ فلسفہ کی جدلیات انسان کو

حقیقت سے آشنا نہیں کرسکتیں۔

(ج) محض عقل سے عقائد ثابت کرنا غلط ہے

آپ نے فلاسفہ کے ساتھ ان متکلمین کا بھی رد کیا جو طریقۂ سلف سے ہٹ کر محض عقلی دلائل سے اسلامی عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش میں مصروف تھے۔ آپ کے نزدیک علم کلام، جس میں عقل کے ذریعے عقائد کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ انسان کو یقین کی دولت عطا نہیں کرسکتا، بلکہ اسے متذبذب بنا دیتا ہے، لہٰذا علم کلام کو چھوڑ کر صرف وحیِ الٰہی کو اثباتِ عقائد کا ذریعہ ماننا چاہیے۔ لکھتے ہیں:

> ''ان متکلمین کا کلام خلق وبعث، مبدأ ومعاد اور صانع کے اثبات میں نہ عقلی طور پر تحقیقی اور تشفی بخش ہے نہ نقلی طور پر۔ ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے۔ امام رازیؒ نے آخرِ عمر میں کھلے طریقہ پر اعتراف کیا ہے کہ میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ مناہج پر بہت غور کیا، آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان سے نہ کسی بیمار کو شفا ہوتی ہے، نہ کسی پیاسے کی پیاس بجھتی ہے۔ میں نے سب سے قریب تر راستہ قرآن کا پایا ہے۔ جو شخص میری طرح تجربہ کرے گا، وہ میری ہی طرح اس نتیجے پر پہنچے گا۔ غزالیؒ اور ابن عقیلؒ نے بھی اسی سے ملتی جلتی باتیں کہی ہیں اور یہی حقیقت ہے۔''[۸]

غور طلب بات یہ ہے کہ علم الکلام کے ماہرین، مثلاً امام رازیؒ، امام غزالیؒ اور ابن عقیلؒ وغیرہ نے خوب تحقیق اور مطالعہ کے بعد علم الکلام کو غیر تسلی بخش اور عقلی ونقلی اعتبار سے کم زور علم کہا ہے اور امام ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک بھی یہ کوئی فائدہ مند علم نہیں ہے، بلکہ اس سے ظن وگمان بڑھتا ہے اور اس کو پڑھنے والے ایسے اشخاص جو وحی سے متعلق زیادہ نہ جانتے ہوں، وہ اس کا مطالعہ کرکے عقیدہ میں مزید کم زور ہو جاتے ہیں اور تذبذب وتزلزل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ علمِ کلام کے نقصانات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''جب یہ متکلمین نبوت کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو اس پر ایسے

سوالات وارد کرتے ہیں جو بڑے قوی اور عام فہم ہوتے ہیں، لیکن جب جواب دینے پر آتے ہیں تو ان کے جوابات کم زور نظر آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو شخص ان کتابوں سے علم، ایمان اور ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہی اسلام کے حامی اور اس کے وکیل اور مناظر ہیں اور انہوں نے ہی اس کو عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا بیڑہ اُٹھایا ہے، پھر اس کو ان کی کتابوں میں نبوت کے اثبات میں تشفی بخش دلائل نہیں ملتے تو اس کے عقیدہ میں کچھ تذبذب اور تزلزل پیدا ہوجاتا ہے۔ ۹؎

الغرض ان کے نزدیک عقائد کے اثبات، معرفت الٰہی کے حصول اور علم یقینی تک رسائی کے لیے صرف اور صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا، کیوں کہ یہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم حقیقت تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے بھی راستے ہیں وہ غیر مستند اور حقائق سے دور لے جانے والے ہیں۔

ابن تیمیہؒ نے ان لوگوں کا بھی رد کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کا اسلوبِ بیان مدلّل نہیں ہے، لہٰذا علم کلام یا فلسفہ کے اصولوں کے ذریعے وجود صانع، نبوت اور معاد وغیرہ کا اثبات کرنا چاہیے۔ انہوں نے اس فکر کا مدلل رد کیا اور قرآن کے اسلوب کی برتری کو ثابت کیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"اہل کلام و فلسفہ نے مطالبِ الٰہیہ پر جو عقلی دلائل قائم کیے ہیں ان کے مقابلے میں قرآن مجید کے دلائل کہیں زیادہ مکمل اور بلیغ ہیں۔ ساتھ ہی وہ ان بڑے مغالطوں سے بھی پاک و صاف ہے جو ان فلاسفہ و متکلمین کے دلائل میں پائے جاتے ہیں۔" ۱۱؎

(د) عقل اور وحی کا معتدل امتزاج

اسی طرح ابن تیمیہؒ نے پرزور انداز میں وحی کے مستند ہونے کو ثابت کیا اور اس بات کو واضح کیا کہ عقائد صرف وحی الٰہی ہی سے حاصل کرنے چاہییں، کیوں کہ وحی و نبوت ہی علم کا مستند ذریعہ ہے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے عقل کو کلیتاً

بے کار چیز قرار نہیں دیا، البتہ وہ عقل کو اس کے دائرہ میں رکھ کر استعمال کرنے کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک عقل کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے وحی اور عقل کے درمیان مطابقت پیدا کی۔ اس موضوع پر ان کی کتاب 'موافقۃ صحیح المنقول لصریح المعقول' ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں اُن کا دعویٰ ہے کہ عقل سلیم اور وحی الٰہی میں کبھی تناقض نہیں ہوسکتا۔ فرماتے ہیں:

''صحیح و واضح عقلی دلائل، جن میں کوئی شک نہیں ہے، بلکہ یقینی فطری علوم، سب کے سب انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی خبروں کے موافق ہیں، مخالف نہیں ہیں اور صحیح عقلی دلائل تمام تر نقل وروایت (سمع) کے مطابق ہیں، ذرا بھی اس کے خلاف نہیں۔''[۱۱]

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''منقول صحیح کا کبھی معقول صریح معارض نہیں ہوتا۔ میں نے اختلافی مسائل میں بھی اس اُصول کی تحقیق کی تو یہی پایا کہ صحیح وصریح نصوص کے خلاف جو کچھ بھی پیش کیا جاتا ہے وہ محض فاسد شبہات ہوتے ہیں، جن کا بطلان عقل سے ثابت ہوتا ہے، بلکہ عقل سے ان شبہات کے بالکل خلاف اور شرع کے بالکل موافق ثابت ہوتا ہے۔''[۱۲]

ان کا موقف یہ بھی ہے کہ اگر کبھی عقل ونقل میں تعارض نظر آئے تو نقل کو عقل پر فوقیت دی جائے گی، کیوں کہ یہی مستند ترین ہے۔

دوسرا اُصول: قرآن وحدیث کی اتباع ہی اصل دین ہے

ابن تیمیہؒ کے منہج اصلاح وتجدید کا دوسرا بنیادی اصول قرآن وسنت کی برتری ہے۔ ان کے نزدیک قرآن وسنت ہی اصل اسلام ہے، باقی چیزوں کی حیثیت ثانوی ہے اور وہ قرآن وحدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔ اس سلسلہ میں ان کے موقف کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

(الف) تقلید کی بجائے رجوع الی القرآن والسنۃ

آپ نے بھر پور انداز میں رجوع الی القرآن والسنۃ کی دعوت دی اور

واضح کیا کہ ان کے مقابلے میں کسی کی تقلید پر جمے رہنا یا اپنے رسم ورواج کی پیروی کرنا ضلالت وگم راہی ہے۔ آپ کا نظریہ تھا کہ بچہ جب بلوغت اور شعور کی عمر کو پہنچے تو اسے چاہیے کہ آباء واجداد کے طور طریقوں اور رسوم کو چھوڑ کر سنتِ نبوی کو اپنائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو مستحقِ عذاب ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''جو شخص اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کے بجائے اپنی اور اپنے والدین کی عادات اور اپنی قوم کے رسم ورواج کی پابندی کرے گا تو وہ ان ہی اہل جاہلیت میں سے ہوگا جو وعیدِ خداوندی کے مستحق ہیں۔ اسی طرح جس کے لیے کسی مسئلہ میں وہ صحیح راستہ اور حکم شرعی واضح ہو گیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا ہے، پھر اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنی عادت کی طرف رجوع کیا وہ قابلِ مذمت اور مستحقِ عذاب ہے۔ البتہ جس کو اللہ اور اس کے رسول کا حکم معلوم نہ ہو اور وہ کسی اہل علم کی طرف رجوع کرے اور اس میں از خود کسی کے قول کو کسی پر ترجیح دینے کی علمی بصیرت نہ ہو تو ایسا شخص قابلِ تعریف اور مستحق ثواب ہے، نہ کہ قابلِ مذمت اور مستحقِ عذاب۔ ۱۳؎

آپ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اگر کوئی دین کو اس کی اصل شکل میں سمجھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہیے کہ تقلیدی بندشوں کو توڑ کر قرآن وسنت کے چشمۂ صافی سے فیضان حاصل کرے۔ فقہ و عقائد ہر قسم کے معاملات میں آخری اور حتمی حیثیت (Authority) قرآن وحدیث ہی کو حاصل ہے۔ ان سے ہٹ کر فقہ میں قیاس کا بے جا استعمال اور عقائد میں عقلی جدلیات سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ حدیث کے مقابلے میں اقوال الرجال پر عمل پیرا ہو۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''حج تمتع کے متعلق کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اقوال پیش کیے۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ''ڈر ہے کہ تم لوگوں پر آسمان سے پتھر برسنے لگیں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے اور

تم کہتے ہو کہ ابوبکرؓ وعمرؓ نے یہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے حج تمتع کے متعلق لوگوں نے دریافت کیا تو انھوں نے اس کا حکم دیا۔ لوگوں نے اس کے مقابلہ میں (ان کے باپ) حضرت عمر بن خطابؓ کا قول پیش کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: تمہاری اتباع کا زیادہ حق دار حکمِ رسول ہے یا حکمِ عمر؟''۱۴؎

غور طلب بات ہے کہ صحابہ کرام کسی بھی افضل سے افضل صحابی کی بات کو رسول اکرم ﷺ کی بات پر ترجیح دینا کس قدر برا سمجھتے تھے اور ایسا کرنے کو عذاب الٰہی کا پیش خیمہ قرار دیتے تھے۔ وہ ہر بات رسول اکرمؐ سے لیتے اور آپ کے حکم ہی کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ نہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا، بلکہ ائمہ وفقہا کا بھی یہی طرز عمل تھا۔ امام ابنِ تیمیہؒ اِس سلسلے میں ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''امام ابو حنیفہؒ کے شاگردِ رشید امام ابو یوسفؒ بعض مسائل میں اپنے استاذ کے ہم نوا تھے، لیکن حج کے موقعہ پر جب امام مالکؒ سے ان کو سنت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اپنے استاذ کے مسلک سے رجوع کرلیا اور امام مالکؒ سے کہا: ''ابوعبداللہ! میں نے آپ کے قول کو اختیار کرلیا۔ اگر میرے استاذ ہوتے تو وہ بھی میری طرح اپنے قول سے رجوع کر لیتے!''۔ امام مالکؒ فرمایا کرتے تھے: ''میں ایک بشر ہوں، میری بات صحیح بھی ہوسکتی ہے اور غلط بھی۔ پس میرے قول کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے پرکھ لو۔'' امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے: ''اگر میرے قول کے مقابلے میں صحیح حدیث مل جائے تو میرے قول کو بے تامل دیوار پر دے مارو۔'' امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے: ''میری، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ کی تقلید نہ کرو، بلکہ (دین) سیکھو جیسے ہم نے سیکھا ہے۔ دین کے معاملہ میں رجال کی پیروی نہ کرو۔ ان سے بھی غلطی سرزد ہوسکتی ہے۔ پس جس نے صحیح حدیث ترک کردی اور رجال کا قول لے لیا، اس نے وہ چیز ترک کردی جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں اور وہ چیز لے لی جو غلط ہوسکتی ہے۔''۱۵؎

(ب) تقلید شخصی کی بجائے اتباع رسول ﷺ کی دعوت

عہد ابن تیمیہ میں تقلید اور فکری جمود عام تھا۔ لوگوں نے متعین مسلک کی پابندی کو واجب قرار دے دیا تھا، جس سے تعصب اور جہالت عام ہو گئی تھی۔ لوگوں نے قرآن و حدیث کی تعلیم کو چھوڑ کر مسالک کے شیوخ کی آراء کو دین کا درجہ قرار دے دیا تھا۔ ان حالات میں انھوں نے اس تقلیدی روش کا بھرپور رد کیا۔ آپ نے واضح کیا کہ مسلمان کے لیے کسی بھی متعین مسلک کی پابندی ضروری نہیں۔ ہر مسلک کی غلط باتوں کو چھوڑا جائے گا اور درست فتاویٰ کو قبول کیا جائے گا۔ آپ نے تقلید شخصی کا مدلل رد کیا اور فرمایا کہ صرف اللہ کے رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کی غیر مشروط اطاعت اور تقلید کی جائے گی۔ فرماتے ہیں:

> ''جب کسی مسلمان کو کوئی مسئلہ درپیش ہو تو اس کو چاہیے کہ ایسے شخص سے فتویٰ پوچھے جس کے متعلق وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی شریعت کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، چاہے وہ شخص کسی بھی مسلک کا ہو۔ کسی مسلمان پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ کسی عالم کی ہر بات میں اس کی تقلید کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی متعین شخص کے مسلک کو اپنے لیے لازم کر لے اور ہر بات میں اس کے قول اور عمل کو اپنے لیے واجب قرار دے، بلکہ ہر شخص کا قول لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے، سوائے رسول اللہ ﷺ کے کہ آپ کا ہر فرمان واجب العمل ہے۔''[۱۶]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک ہر شخص کسی سے مسئلہ پوچھنے سے پہلے یہ یقین کر لے کہ وہ جس عالم سے مسئلہ پوچھ رہا ہے وہ قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، بلکہ سائل کو مسئلہ پوچھتے وقت عالم سے یہ بھی تقاضا کرنا چاہیے کہ وہ قرآن وسنت کے مطابق ہی اس کو جواب دے۔

ابن تیمیہؒ کے نزدیک کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ صرف کسی خاص فقہی

مسلک کی پیروی کرے، بلکہ اصل مدعا تو اطاعتِ رسول ﷺ ہے۔ قولِ رسول ﷺ کے مقابلے میں ہر کسی کا قول ترک کیا جا سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''اگر کوئی آدمی ابوحنیفہ، مالک، شافعی یا احمد رحمہم اللہ کا پیرو ہو اور یہ دیکھتا ہو کہ بعض مسائل میں دوسرے کا مذہب زیادہ قوی ہے تو اس کے لیے اس کی پیروی کرنا بہتر ہوگا۔ ایسا کرنے سے اس کے دین یا اس کی معتبریت میں کوئی نقص نہ ہوگا۔ اس میں کسی کا کوئی جھگڑا نہیں ہے، بلکہ حق کے لحاظ سے یہی زیادہ بہتر ہے اور اللہ اور اس کے رسول کو یہی زیادہ محبوب ہے، اس شخص کی بہ نسبت جو نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی اور شخص مثلاً مالک یا شافعی یا احمد یا ابوحنیفہ رحمہم اللہ کے لیے تعصب برتے اور یہ سمجھے کہ اس امام ہی کا قول ٹھیک ہے اور دوسرے امام کے قول کو چھوڑ کر صرف اسی کا اتباع کرنا لازم ہے، پس جو بھی ایسا سمجھتا ہے وہ جاہل اور گم راہ ہے، بلکہ بسا اوقات وہ کافر ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ جب وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ لوگوں کے لیے ان ائمہ میں سے کسی ایک امام کی پیروی واجب ہے، دوسرے کی پیروی ان کے لیے جائز نہیں ہے تو اس سے توبہ کروانی چاہیے۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔''١٨؎

یعنی ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فقہی دائرے میں بند ہونے کے بجائے وسعتِ نظری سے کام لے۔ اگر اس کے امام کے قول کی بجائے کسی دوسرے شخص (جو کسی دوسرے فقہی مذہب سے تعلق رکھتا ہے) کا قول، سنت رسولؐ کے مطابق اور اس کے زیادہ قریب ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے فقہی امام کے بجائے دوسرے امام کے قول پر عمل کرے، کیوں کہ اس سے اتباع رسولؐ کا جذبہ پیدا ہوگا اور بے جا تعصب کا خاتمہ ہوگا۔

(ج) تقلید واجتہاد کے مابین نقطۂ اعتدال

تاہم امام ابنِ تیمیہؒ نے فقہی احکام کے استنباط میں عقل کے کردار کو کلیتاً رد نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اعتدال پر مبنی عقل ونقل کے امتزاج سے فقہی مسائل اخذ کرنے کی

روایت کو فروغ دیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے عقل اور وحی کے درمیان توافق کی طرح تقلید و اجتہاد کے درمیان بھی نقطۂ اعتدال کو برقرار رکھا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہر شخص اپنے علم اور فکری استعداد کے مطابق اتباعِ نصوص کا پابند ہے۔ انہوں نے معاشرے کے افراد اور علماء کو مختلف درجہ بندیوں میں تقسیم کیا اور وضاحت کی کہ ہر درجہ کے لوگوں پر کس قدر تحقیق اور تحصیلِ علم واجب ہے۔ وہ تقلیدِ شخصی اور مذہبِ معین کی پابندی کو درست نہیں سمجھتے تھے، لیکن انہوں نے عوام الناس اور علم وفکر سے بے بہرہ لوگوں کو ہر مسئلہ کی تحقیق کا پابند نہیں بنایا، بلکہ ان کو نصیحت کی کہ وہ کسی بھی معتبر عالم دین سے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیں، تاہم مجتہدین کے لیے وہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ تحقیق کریں اور اس قول کو اختیار کریں جو قرآن وحدیث کے زیادہ قریب ہو۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''جو شخص استدلال پر قدرت رکھتا ہو اس کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ اس کے لیے تقلید مطلقاً حرام ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وہ براہ راست تحقیق کر سکے اور دلیل سے مسئلہ نکال سکے۔ یہی قول زیادہ قرینِ انصاف وصواب ہے۔'' ۱۸؎

البتہ جس شخص کو اجتہادِ تام پر قدرت حاصل ہو اس کے لیے ان کا فیصلہ ہے کہ اگر اس کو کسی جانب نصوص نظر آئیں اور ان کا مقابلہ کرنے اور ان کو دفع کرنے والی کوئی وجہ نہ ہو تو اس کے لیے نصوص کی پیروی لازم ہے، فرماتے ہیں:

> ''البتہ اگر اس کو ایسے اجتہادِ تام پر قدرت حاصل ہے کہ اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں مسئلہ کی کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے نص کو دفع کیا جا سکے تو اس پر نصوص کی پیروی واجب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا (اور مخالفِ نص قیاس یا تقلید پر قائم رہے گا تو وہ گمان اور خواہش نفس کی پیروی کرنے والا ٹھہرے گا اور اللہ ورسول ﷺ کا بڑا نافرمان قرار پائے گا۔'' ۱۹؎

ایک عالم جسے اجتہاد پر قدرت حاصل ہے اور وہ براہ راست رسول اللہ

ﷺ کے طریقے سے مسئلہ مستنبط کر سکتا ہے ،اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر وہ اجتہاد کے بجائے محض تقلید کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو جو صلاحیت دے رکھی ہے اس کو استعمال نہیں کرتا تو وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے، کیوں کہ دوسرے کی سمجھ کے مطابق مسئلہ اخذ کرنے پر اکتفا کرنے سے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت وبصیرت کو استعمال نہ کر کے اور اسے ضائع کر کے اللہ کی ناشکری کر رہا ہے، لہٰذا وہ نافرمانی اور گناہ کا مرتکب ہوا۔لیکن ایک ایسا شخص جسے عالمانہ بصیرت حاصل نہیں ،وہ کسی معتبر عالم دین سے مسئلہ پوچھے گا ، کیوں کہ علمائِ سنتِ رسول کی طرف رہ نمائی کرتے ہیں اور قولِ رسول تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔

اس موضوع پر ابن تیمیہؒ نے مندرجہ ذیل کتب ورسائل تصنیف کیے ہیں:

(۱)۔ قاعدة فی الاجتهاد والتقليد (۲)۔قاعدة فی تقليد مذهب معين ،هل يجب على العامی ام لا؟(۳)۔قاعدة جليلة فی وجوب الاعتصام بالرسالة۔(۴)۔جواب فی ترک التقليدفی من يقول مذهبی مذهب النبی ولست انا محتاج الی تقليد المذاهب الاربعة۔

تیسرا اُصول: دین کی اصل پر قائم رہنا ہی کام یابی کی ضمانت ہے

ابن تیمیہؒ کے منہج اصلاح وتجدید کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ دین کی اصل پر قائم رہا جائے۔ اپنی طرف سے خواہ مخواہ دین میں اضافہ کرنا نہایت قابل مذمت ہے۔ دین کی روح کو برقرار رکھنا اور اس کی طبعی سادگی پر عمل پیرا ہونا ہی باعثِ نجات ہے۔ آپ کے منہج کا یہ اصول فکر سے زیادہ عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی اصول کے تحت انھوں نے رائج الوقت بدعات کے خلاف قلمی جہاد کیا۔

آپ کا منہج یہ تھا کہ دین کو ہر قسم کی آلائشوں اور اضافوں سے پاک صاف کر کے اس کی اصل حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے درج ذیل کارنامے سرانجام دیے:

(الف) غیر اسلامی تصوف کا رد

آپ نے متصوفانہ سلسلوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور صوفیہ میں جو چیزیں قرآن وسنت سے متصادم نظر آئیں ان کا بھر پور رد کیا۔ حلول، اتحاد اور وحدت الوجود جیسے خلافِ شرع نظریات کو باطل قرار دیا۔ اسی طرح اپنے شیخ کی مبالغہ آمیز تقدیس کی بھی مذمت کی۔ صحیح تصوف و اخلاق کو اجاگر کرنے اور تصوف میں شامل غیر شرعی امور کا رد کرنے کے لیے آپ نے تقریباً اسّی (۸۰) کتب و رسائل تصنیف کیے۔ کئی کتابیں صرف ابنِ عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے رد میں لکھیں، جن میں سے چند مشہور درج ذیل ہیں:

۱۔ رسالۃ فی ابطال وحدۃ الوجود

۲۔ الرد الأقوم علی مافی فصوص الحکم

۳۔ حقیقۃ مذہب الاتحادیین أو وحدۃ الوجود

۴۔ مؤلف فی الرد علی ابن عربی وغیرھا

(ب) شرک وبدعت کی مذمت

عہدِ ابنِ تیمیہ میں عوام میں عبادات اور زیارتِ قبور کے سلسلے میں بہت سی بدعات اور شرکیہ اُمور عام تھے۔ بہت سے عقائد اور رسم و رواج ایسے تھے جو صریحاً قرآن و حدیث کے خلاف تھے۔ قبر پرستی عام تھی۔ پیروں فقیروں کو خدائی درجہ حاصل تھا۔ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز عام تھی اور وسیلہ دین کا حصہ بن چکا تھا۔ مسجدیں ویران تھیں، لیکن مشاہدات و مزارات با رونق تھے۔ بعض لوگ تو مزارات کی حاضری کو حج سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اس طرح عوام اصل دین سے دور ہو کر بدعات وخرافات میں کھو گئے تھے۔ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب 'الرد علی البکری' میں تفصیل سے ان حالات کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے دین کو ہر قسم کے شرک و بدعت سے پاک کرنے کا بیڑا اٹھایا اور پورے زور وشور سے ان امور کی مخالفت کی جو شرک و بدعت کا موجب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے بہت سے امور سے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(ج) غیر اللہ سے استغاثہ کی ممانعت

آپ نے غیر اللہ سے استغاثہ سے ممانعت کی اور لوگوں کو غیر اللہ سے اپنی مرادیں مانگنے سے منع کیا۔ استغاثہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور ان کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یقینی اور بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنی اُمت کو کسی فوت شدہ پیغمبر یا صالح آدمی سے دعا کرنے کی اجازت نہیں دی، نہ استغاثہ کے طور پر، نہ استعاذہ کے طور پر۔ اسی طرح آپؐ کی اُمت کے لیے کسی مردہ یا زندہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ اس طرح کے وہ اعمال جو عبادات میں شامل ہیں، ہم کو خوب معلوم ہے کہ آپؐ نے ان تمام اُمور سے منع فرمایا ہے اور یہ سب اس شرک میں داخل ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔''۲۰

(د) غیر اللہ کے وسیلہ کی ممانعت

ابن تیمیہؒ نے وسیلے کی بھی پرزور مذمت کی اور اسے شرک قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

> ''اگر کسی شخص کا یہ خیال ہے کہ یہ بزرگانِ دین اور ائمہ وعلماء اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان اسی طرح سے واسطہ ہیں جیسے بادشاہ اور رعیت کے درمیان دربان ہوتے ہیں کہ یہی خدا تک اس کی مخلوق کی ضرورتیں پہنچاتے ہیں اور اللہ ان ہی کے توسط سے اپنے بندوں کو ہدایت اور رزق عطا فرماتا ہے، مخلوق ان سے سوال کرتی ہے اور وہ خدا سے سوال کرتے ہیں، جیسے بادشاہوں کے دربان رعایا کی ضرورتیں ان سے طلب کرتے ہیں، وہ براہ راست بادشاہ سے سوال کرنا بے ادبی سمجھتے ہیں، وہ ان دربانوں سے سوال کرتے ہیں، اس لیے کہ ان سے طلب کرنا زیادہ مفید ہوتا ہے، کیوں کہ وہ بادشاہ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ جو شخص اس نوعیت کے واسطوں کا قائل ہے اور اس معنیٰ میں بزرگانِ دین اور علماء وصلحاء کو واسطہ مانتا ہے، وہ کافر ومشرک ہے، اس سے توبہ کرانی واجب ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کرلے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ درحقیقت

تشبیہ میں گرفتار ہیں، کیوں کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کے مشابہ سمجھ رکھا ہے اور اللہ کے ہم سر اور نظیر ٹھہرا رکھے ہیں۔'' ۲۱؎

(د) قبر پرستی کا رد

آپ نے قبر پرستی کو شرک و بدعت قرار دیا اور واضح کیا کہ قرون اولیٰ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ فرماتے ہیں:

'' قبروں کی طرف سفر کر کے جانے والوں اور ان کو عبادت گاہ، مسجد گاہ اور میلہ کی جگہ بنانے والوں کا صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں سراغ نہیں ملتا۔ اسلام میں نہ کوئی ایسی قبر اور مقام تھا جس کی طرف سفر کر کے جایا جائے۔ یہ تین صدیوں کے بعد کی پیداوار ہے۔ بدعت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس میں جس قدر رسول ﷺ کی مخالفت ہوتی ہے، اسی قدر دیر میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ شروع میں وہ بدعات ظاہر ہوتی ہیں جن کی مخالفت اتنی واضح اور جلی نہیں ہوتی۔'' ۲۲؎

الغرض انہوں نے بزرگوں کی تقدیس کے نام پر عوام میں در آنے والی گم راہیوں کا رد کر کے اسلام کی واضح اور خالص تصویر لوگوں کے سامنے پیش کی اور ان کو منہج سلف کی طرف بلایا، کیوں کہ وہی قرآن وسنت سے قریب تر اور ہر قسم کی اضافی آلائشوں سے پاک طریقۂ زندگی ہے۔

اس سلسلے میں ابن تیمیہؒ نے اس پہلو پر بھی زور دیا کہ اسلام اور اسلامی تہذیب کی انفرادیت کو برقرار رکھا جائے، دیگر اقوام کی مشابہت سے اجتناب کیا جائے اور جو چیزیں مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام سے مستعار لے کر اپنی زندگی میں شامل کر لی ہیں ان کو ختم کیا جائے۔ اس موضوع پر انہوں نے '**اقتضاء الصراط المستقیم**' تصنیف کی، جس میں اسلامی طرز معاشرت پر زور دیا۔ اس موضوع پر ان کی ایک دوسری تصنیف '**قاعدۃ فی النھی عن اعیاد النصاری**' ہے۔

ابن تیمیہؒ کی پوری جدو جہد اس بات پر تھی کہ دین کی اصل ہیئت کو برقرار

رکھا جائے اور اس میں کسی بھی قسم کے اضافے کا رد کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ساری زندگی بدعات اور غیر اسلامی رسم و رواج کے خلاف برسر پیکار رہے۔ شیخ ابوزہرہؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''امام صاحب کے حلقۂ درس کی شان بھی عجیب تھی۔ مختلف علوم وفنون زیر درس رہتے، لیکن ان سب کی روح ایک تھی، مقصد ایک تھا، یہ کہ وہ اسلام نمایاں ہو اور ابھرے جو صدر اول کا اسلام تھا، جس پر قرن اوّل میں صحابہ کرام عامل تھے، ہر قسم کے گرد وغبار سے پاک اور صاف، طیب وطاہر، جس میں نہ بدعت کی گنجائش تھی نہ افکار غریب وعجیب کی۔ آپ جس راستے پر چل رہے تھے وہ یہ تھا کہ عقائد میں، اُصول میں، فروع میں، عہد صحابہ کا اسلام زندہ ہو۔'' ۲۳؎

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ کے دل و دماغ پر صرف ایک ہی چیز چھائی ہوئی تھی۔ وہ تھی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ، نیز اقوال صحابہ و تابعین، ان کے فیصلے اور ان کے فتاویٰ۔ بنا بریں جب ان کو ایسے خیالات، نظریات اور آراء اپنے سامنے دیکھنے میں آئیں جو سنت رسول ﷺ کے خلاف تھیں، بس فوراً ڈنکے کی چوٹ پر امر رب کا اعلان کیا۔ احیاء سنت کی تبلیغ اور اتباعِ آثار سلف کی ترغیب کا شروع کرنا تھا کہ آپ سے مقابلہ کی ٹھان لی گئی، یعنی مشائخ کی تقلید اور صرف حق ہی کے اتباع کے مابین معرکہ آرائیاں شروع ہوگئیں۔'' ۲۴؎

چوتھا اُصول: خارجی و داخلی حملوں سے اسلام کا دفاع

امام ابنِ تیمیہؒ کے منہج کا ایک اہم اُصول یہ تھا کہ اسلام کو خارجی اور داخلی حملوں سے بچایا جائے اور اس کا مکمل دفاع کیا جائے۔ جس طرح عملی طور پر عہدِ ابنِ تیمیہ کے لوگوں نے دین میں بہت سے اضافے کر لیے تھے اسی طرح فکری طور پر بھی اس دور میں بہت سے فتنے رونما تھے۔ مختلف فرقوں نے ایسے ایسے نظریات پھیلا

رکھے تھے کہ اسلامی تعلیمات مسخ ہو کر رہ گئی تھیں۔ دوسری طرف غیر مسلموں نے مختلف اعتراضات کر کے مسلمانوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کر رکھا تھا۔ ابن تیمیہؒ نے جو اصلاحی وتجدیدی کارنامہ سرانجام دیا اس کے پیچھے یہ فکر کارفرما تھی کہ اسلام کو ہر قسم کے داخلی و خارجی انحرافات سے بچایا جائے اور اس کی صاف وشفاف تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک طرف مسلمانوں میں پیدا ہونے والے داخلی انحرافات کی سرکوبی کی تو دوسری طرف غیر مسلموں کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات دیے۔ اس سلسلے میں ان کے کارہائے نمایاں درج ذیل ہیں:

(الف) فرقِ باطلہ کا رد

ابن تیمیہؒ نے معتزلہ، اشاعرہ، رافضیہ، باطنیہ، حلولیہ اور دیگر فرقوں کا رد کیا، جنہوں نے اسلامی تعلیمات کے چاند کو گہنا دیا تھا۔ آپ نے ان کے افکار ونظریات کا مدلل رد لکھا اور مسلمانوں کو باور کروایا کہ اسلام کے نام پر جو چیز یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہ اسلام نہیں، بلکہ اس سے روگردانی اور گم راہی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کئی کتب تصنیف کیں، لیکن ان کا خاص کارنامہ شیعیت کے رد میں ان کی تصنیف 'منهاج السنة النبوية' ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کا محرک یہ تھا کہ ایک شیعہ عالم حسن بن یوسف بن علی بن المطہر الحلی نے ایک ضخیم کتاب 'منهاج الكرامة فی معرفة الامامة' تصنیف کی تھی۔ اس میں اثباتِ شیعیت کی بھرپور کوشش کی تھی اور خلفائے راشدین میں سے حضرات ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم پر زبانِ طعن دراز کی اور دیگر صحابہ کو 'شرار خلق' اور 'ارذل مخلوقات' کہا تھا۔ امام ابنِ تیمیہؒ نے اِس کتاب میں اِن شیعی عقائد کا بھرپور رد کیا۔ صحابہ کے فضائل ومناقب، خلفائے راشدین کی خلافت کا اثبات اور شیعوں کی بے انصافی اور تعصب کو بڑی تفصیل سے بیان کیا اور لکھا کہ شیعوں کی یہ عادت ہے کہ

وہ صحابہ پر طعن کرتے ہیں اور یہود ونصاریٰ سے محبت والفت رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

''روافض کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر ہمیشہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا ساتھ دیتے ہیں اور انہی کی دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ ان لوگوں سے بڑھ کر کون گم راہ ہوگا جو مہاجرین وانصار میں سابقین اولین سے عداوت رکھیں اور منافقین وکفار سے دوستی کریں۔'' ۲۵؎

ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا اور خدا بنایا، دوسری طرف ان کی صلیب کے واقعہ کی ایسی تصویر کھینچی کہ وہ ایک بے بس ومجبور انسان نظر آتے ہیں، جو ہر طرح کی توہین وتذلیل اور تمسخر واستہزا کا نشانہ وتختۂ مشق بنتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ حضرات نے ایک طرف حضرت علیؓ کے لیے وہ صفات اور قوتیں ثابت کیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا پایہ آں حضرت ﷺ سے بھی کچھ بلند تھا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام کو فروغ نہ ہوتا، ان کے پنجۂ خیبر شکن اور ذوالفقار آب دار سے اسلام کی فتح ہوئی اور کفر سرنگوں ہوا۔ دوسری طرف خلفائے ثلاثہ کی خلافت میں ان کو ایسا مجبور وبے بس ثابت دکھایا ہے کہ وہ سب کچھ اپنے ضمیر وعقیدہ کے خلاف دیکھتے اور ان کی اور ان کے اہل بیت کی ہر طرح توہین وتذلیل ہوتی، لیکن وہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ یہ صریح تناقض اور تضاد ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ شیعہ جمع بین النقیضین کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ حضرت علیؓ کو قوت وشجاعت میں سب سے کامل اور بڑھا ہوا بتاتے ہیں، یہاں تک کہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ہی دین کو قائم کیا اور خود رسول اللہ ﷺ ان کے محتاج تھے اور ان کو اقامتِ دین میں اللہ کا شریک بتاتے ہیں۔ پھر اسلام کے غلبہ اور قوت کے بعد اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہوجانے کے بعد ان کے عجز وضعف، اضطراب وتقیہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ کم زور اور بے بس ہستی نہ تھی، حالاں کہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد وہ بہ نسبت سابق کے زیادہ حق کے پیرو ہو گئے تھے۔ تو جو شخص دین محمدی

کے قائم کرنے میں اللہ کا شریک حال تھا، جس نے کفار کو مغلوب کیا،
وہ اسلام لانے کے بعد اپنی طاقت اس جماعت کو مغلوب کرنے میں
کیوں نہیں دکھاتا جنھوں نے اس پر زیادتی کی تھی، حالاں کہ وہ تعداد میں
بھی ان کفار سے کم تھے اور قوت وشوکت میں بھی کم زور تھے اور یہ مخالفین
بہر حال حق سے زیادہ قریب تھے۔'' ۲۶؎

(ب) عیسائیت کا رد

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے نہ صرف مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والے فرقوں کا رد کیا اور ان کے اعتراضات کے جوابات دیے، بلکہ اسلام پر ہونے والے خارجی حملوں کا بھی مقابلہ کیا۔ انہوں نے یہود ونصاریٰ کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب دیا اور اسلام کا بھر پور دفاع کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے خصوصاً عیسائیت کا رد کیا اور ان کی طرف سے اسلام پر کیے جانے والے حملوں کا بھر پور مقابلہ کیا۔

عہدِ ابنِ تیمیہؒ میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ اسلامی ملکوں میں جن مذاہب وادیان نے مستعدی کا مظاہرہ کیا ان میں مسیحیت سرفہرست ہے، جس کے ماننے والوں کی بڑی تعداد اسلامی ممالک بالخصوص مصر وشام میں موجود تھی۔ شام سے متصل عیسائی ممالک کا سلسلہ تھا۔ عیسائی مبلغین اور علماء شام کو مسیحیت وصلیب کے سایہ میں لینا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے جب تاتاری دمشق میں داخل ہوئے تو عیسائیوں نے شہر سے نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کو تحائف دیے۔ تاتاریوں کے ساتھ مل کر عیسائیوں نے کافی قوت حاصل کر لی تھی۔ مسیحی پادری مسلمانوں سے اکثر مناظرہ کرتے رہتے تھے اور علماء اسلام ان کے اعتراضات کا جواب دیتے تھے۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اِس موضوع کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ عیسائیوں کی ایک نئی مناظرانہ تصنیف ملک شام میں پہنچی، جس میں عقلی ونقلی اعتبار سے مسیحیت کا اثبات کیا گیا تھا اور پوری قوت کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش

کی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت عمومی نہیں تھی، بلکہ آپ صرف عربوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اور عیسائی آپ پر ایمان لانے کے مکلف نہیں ہیں۔

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اس کتاب کے رد میں 'الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح' تصنیف کی، جو چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے صرف اسلام کی مدافعت ہی نہیں کی، بلکہ مسیحیت کی بنیادوں پر حملے بھی کیے ہیں۔ اس کتاب میں مسیحیت کی تاریخ، مسیحی علم کلام اور مسیحی علماء کی موشگافیوں اور تاویلات کو بالتفصیل بیان کیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارتوں، دلائل نبوت اور پیشین گوئیوں کا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ شیخ ابوزہرہؒ نے لکھا ہے:

> ''یہ کتاب تنہا ان کو باعمل علماء ومجاہد ائمہ اور لافانی مفکرین کا مرتبہ دلانے کے لیے کافی ہے۔''۲۷؎

(ج) نبوت محمدی پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے نبوت محمدی پر عیسائیوں کے اعتراضات کا نہ صرف جواب دیا، بلکہ آپؐ کی نبوت کے اعجاز کے مختلف پہلو واضح کیے اور دیگر انبیاء پر آپؐ کی فضیلت بیان کی۔ فرماتے ہیں:

> ''رسول اکرم ﷺ کی نبوت کی تکذیب سے تمام نبوتوں کی تکذیب لازم آتی ہے اور کسی ایک کا ثابت ہونا مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسرے انبیاء کی نبوت کے ثبوت پر اصرار کرنا اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی فن کے علماء کی عظمت وامامت کا اقرار کیا جائے لیکن اس فن کے استاد الاساتذہ اور امام الائمہ کا انکار کیا جائے۔۲۸؎

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے عیسائیوں کے اس دعوے کا مدلّل رد کیا کہ نبی کریم ﷺ صرف عرب کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور انہی سے ایمان کا مطالبہ کیا گیا تھا اور عیسائی آپ پر ایمان لانے کے مکلف نہیں ہیں۔ اس عقیدہ کی تردید میں آپ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔۲۹؎ اس کے علاوہ اس کتاب میں آپ نے شریعت محمدی کے اعجاز،

معجزات ودلائل نبوت، تورات اور صحف سماوی سے آں حضرت ﷺ کی بشارتوں کو حوالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ۳۰؎

پانچواں اُصول: دین کی جامعیت پر زور

اصلاح وتجدید کے حوالے سے علامہ ابنِ تیمیہؒ کے منہج کا ایک بنیادی اُصول یہ تھا کہ دین کو ایک جامع ہدایت اور مکمل ضابطۂ حیات کے طور پر پیش کیا جائے۔ بعض مصلحین صرف عبادات کی طرف توجہ دیتے ہیں، بعض صرف عقائد کی درستی کو ہدف بناتے ہیں اور بعض صرف معاشرتی پہلوؤں پر کام کرتے ہیں۔ یعنی عموماً مصلحین کے طرزِ عمل میں ایک چیز پر زور دیا جاتا ہے تو دوسری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس آپ نے دین کے تمام پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا اور اسلام کو ایک جامع طرز زندگی کے طور پر پیش کیا۔ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو درج ذیل صلاحیتوں سے نوازا تھا:

(الف) رائج الوقت علوم وفنون میں مہارت

ابن تیمیہؒ نے ہر فن میں کمال حاصل کیا اور اپنے زمانے کے مروّجہ علوم میں اِس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ کسی فن پر جب گفتگو کرتے تو سننے والا یہی سمجھتا کہ آپ اِس فن کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ جملہ علومِ اِسلامیہ پر (جو اُن کے زمانے تک مدوّن ہو چکے تھے) اُن کی گہری اور وسیع نظر تھی۔ اُنھوں نے ان سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا، پھر اُن میں سے وہ عنصر لے لیا جو زیادہ قوی اور جان دار تھا اور جو اُن کے عہد کے لوگوں کے لیے اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے ایک قیمتی سرمایہ بن گیا۔ آپ نے صرف علومِ اسلامیہ کی تحصیل ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دیگر علوم بھی حاصل کیے۔ چنانچہ ان کی کتاب 'الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح' دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اصل مسیحی دین اور اُن کے زمانے میں مروّجہ عیسائیت سے کتنی وسیع واقفیت تھی۔ اُنھوں نے علومِ شرعیہ میں اِس قدر مہارت حاصل کر لی تھی کہ فقہ کے میدان میں وہ 'فقیہ عصر' کہے جا سکتے ہیں۔ علمِ کلام

کے میدان میں وہ بڑے پایہ کے متکلم نظر آتے ہیں۔ آیات قرآنی کی تفسیر، اُصولِ تفسیر اور مناہجِ تفسیر کے سلسلے میں جو کچھ اُن کے قلم سے نکلا اُس نے اُنھیں چوٹی کے مفسرین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ اِن جملہ علوم میں اُن کے افکار وآراء کی گہرائی تحقیق وتفحص اور وسعت پر مبنی ہے۔

(ب) وسعتِ نظری

اگر علامہ ابنِ تیمیہؒ کی فقہی حیثیت پر نظر ڈالی جائے تو وہ مجتہدِ مطلق نظر آتے تھے۔ گو کہ ان کا پورا خاندان حنبلی تھا اور آپ کو بھی فقہ حنبلی کا علم ورثہ میں ملا تھا، لیکن اس کے باوجود آپ دوسرے فقہی مذاہب کے احکام و مسائل بھی اختیار کر لیتے تھے، جو کتاب وسنت اور فتاوائے صحابہ سے زیادہ قریب ہوتے تھے، بلکہ بعض ایسے نتائج تک بھی پہنچتے تھے جو ائمہ مذاہب اربعہ کے خلاف تھے، مثلاً حلف بالطلاق کی صورت میں طلاق واقع نہ ہونے کا فتویٰ، یا یہ فتویٰ کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں ایک طلاق ہی شمار کی جائیں گی۔ ان مسائل میں اور ان جیسے دوسرے مسائل میں انھوں نے مذاہبِ اربعہ کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور کتاب وسنت اور اقوالِ صحابہ سے قریب تر جو بات نظر آئی اسے قبول کر لیا۔ ان کا منہج یہ تھا کہ کتاب وسنت کے مطابق جہاں سے بھی کوئی بات ملے اسے لے لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں کسی کی تقلید کرنا درست نہیں، بلکہ جو موقف اقرب الی الکتاب والسنۃ معلوم ہو، اسے اپنانا ضروری ہے، لوگوں پر یہ واضح کیا کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام کی اتباع ہے۔ ہمیں عقائد، عبادات، معاملات، سیاست، معاشرت اور معاشیات، غرض ہر معاملے میں شریعتِ مطہرہ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ اسلام تمام امور میں ہماری رہنمائی کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے، اسی لیے آپ نے ہر موضوع پر قلم اُٹھایا اور اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ سیاسی حالات پر ان کی تصنیف 'السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ' ایک لاجواب کتاب ہے۔ علم طبیعیات میں ان کا رسالہ 'رسالۃ فی العرش والعالم، ھل ھو کروی الشکل ام لا؟' اچھی تصنیف ہے۔ کیمیا گری کی شرعی حیثیت کے بارے میں 'رسالۃ فی ابطال الکیمیاء وتحریمھا' لکھا۔

چھٹا اُصول: دِین کے معاملے میں عدم مداہنت

علامہ ابنِ تیمیہؒ کے منہج اصلاح وتجدید کا ایک بنیادی اُصول عدم مداہنت اور عدم تساہل ہے۔ آپ نے اپنے اصلاحی وتجدیدی کام کو ایک غیرت مند مسلمان کی حیثیت سے سرانجام دیا۔ آپ دینی معاملات میں تساہل سے کام لینے کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ اگر کوئی حدود اللہ کو پامال کرتا یا شرعی نصوص کی غلط تاویل وتشریح کرتا تو آپ پوری مستعدی سے اس کا رد کرتے۔ جب لوگوں کو دیکھتے کہ وہ شعائر اللہ کا مذاق اُڑاتے ہیں یا روحانیت اور بزرگوں کی تقدیس کے نام پر غیر شرعی امور کو دین کا درجہ دے رہے ہیں تو آپ کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی اور آپ شریعت کی بالادستی کے لیے کمر بستہ ہو جاتے۔ اس سلسلے میں آپ کو بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لوگوں کے طعن وتشنیع کا سامنا کیا، لیکن آپ کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں آئی اور آپ 'لایخافون لومة لائم' کی تصویر مجسم بن کر میدان میں کھڑے رہے۔ آپ نے توہین رسالت کرنے والے کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ صادر کیا، رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے والے کے خلاف لوگوں کو جمع کیا اور خود مقدمہ لے کر امیر کے پاس گئے۔ اس سلسلہ میں ایک شاہ کار کتاب 'الصارم المسلول علی شاتم الرسول' تصنیف کی، جو اس موضوع پر ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اُصول بھی آپ کی پوری زندگی میں کارفرما نظر آتا ہے۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

(الف) عملی جہاد

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے نہ صرف قلم سے اسلام کا دفاع کیا، بلکہ تلوار سے بھی جہاد کیا۔ آپ کا موقف تھا کہ جب اسلام کو کسی بھی طرح کی قربانی کی ضرورت پڑے تو مسلمان کے لیے لازم ہے کہ اپنے آپ کو پیش کر دے۔ اس سلسلے میں انھوں نے تاتاریوں، مفسدوں اور شراب کے خلاف جہاد کیا۔

۷۰۲ھ میں تاتاری لشکر دمشق پہنچا، اس عزم کے ساتھ کہ فتح کر کے دم لیں گے۔ انھیں دیکھتے ہی دمشق کے لوگوں کی جان پر بن گئی، لیکن مصر وشام کی متحدہ فوجیں

اس طوفان کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا تہیہ کر چکی تھیں۔ افواہ بازوں نے عوام کے دلوں میں دہشت اور سراسیمگی اور شکست خوردہ ذہنیت پیدا کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن علما وقضاۃ اور حکام وعمال یہ طے کر چکے تھے کہ اس مرتبہ دشمن کو منہ توڑ جواب دیا جائے گا اور ہم میں سے کوئی بھی کسی حالت میں دمشق نہیں چھوڑے گا۔ ابن تیمیہؒ بھی لوگوں کا حوصلہ بلند رکھنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ تائید ایزدی اور نصرت الٰہی پر آپ کو اس درجہ بھروسا تھا کہ قسم کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے تھے کہ فتح وکام یابی تمھارے ہی حصہ میں آئے گی اور دشمن منہ کی کھائے گا۔ لوگ کہتے: ان شاء اللہ تو کہہ لیں، آپ جواب دیتے: **ان شاء اللّٰہ تحقیقاً لا تعلیقاً**۔ ۱۳؎ میری قسم ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

یہ حالات دیکھ کر شکست خوردہ ذہنیت رکھنے والے افواہ بازوں نے ایک دوسرا شوشہ چھوڑا۔ اس بار انہوں نے دین کا لبادہ اوڑھ کر مسئلے کی آڑ لی اور کہا: ''تاتاری ہیں تو مسلمان ہی، ہم ان سے کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کا مسلمانوں سے مقابلہ جائز ہے؟'' اس موقع پر علامہ ابن تیمیہؒ آگے بڑھے اور انھوں نے اس قضیہ کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا:

> ''یہ تاتاری جو خود کو مسلمان کہتے ہیں، ان کی مثال خوارج کی سی ہے جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں کے خلاف خروج کیا تھا اور اپنے آپ کو ان دونوں سے بہتر اور برتر سمجھتے تھے۔ یہی حال ان تاتاریوں کا ہے۔ ان کا زعم اپنے بارے میں یہ ہے کہ اقامتِ حق کا فریضہ وہ مسلمانوں سے بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں پر عیب لگاتے ہیں کہ وہ ظلم ومعاصی میں مبتلا ہیں۔ یہ بات اگر سچ بھی ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ خود مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ ظلم ومعاصی کے خوگر ہیں۔'' پھر فرمایا: ''لوگو! یاد رکھو۔ اگر تم مجھے تاتاریوں کا ہم دوش دیکھو اس حالت میں کہ قرآن کریم میرے سر پر رکھا ہو تو بھی بلا تامل مجھے قتل کر دینا۔'' ۳۲؎

جب دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی تو بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ اس موقع

پر جو شخص سب سے زیادہ مطمئن اور بے پروا نظر آ رہا تھا وہ ابن تیمیہؒ تھے۔ موت سامنے کھڑی تھی اور وہ میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے تھے اور اپنے جوش جہاد سے لوگوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ میدان جنگ میں پہنچنے سے پہلے وہ سلطانِ مصر کے دربار میں حاضر ہوئے، اسے جہاد پر اکسایا، سپاہ مصر کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کی تلقین کی۔ اس لیے کہ انھیں یہ اطلاع ملی تھی کہ سلطان جنگ میں حصہ لیے بغیر واپس چلے جانے کا ارادہ کر رہا ہے۔ سلطان نے ان کی باتیں توجہ سے سنیں۔ آخر کار تاتاری میدان سے بھاگے اور مسلمانوں نے فتح پائی۔

تاتاریوں کے خلاف جہاد سے فارغ ہو کر ابنِ تیمیہؒ نے ان مفسدوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا جو کبھی دشمن سے ساز باز کرتے تو کبھی خود مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے تھے۔ آپ نے بارہا ان مفسدین کو تنبیہ کی، لیکن وہ باز نہ آئے۔ چنانچہ ابن تیمیہؒ اپنے تلامذہ واحباب کی ایک جماعت کی رفاقت اور نقیب الاشراف زین الدین بن عدنان کی معیت میں دوبارہ جردو کسران کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو تبلیغ کی۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد تائب ہوئی اور اس نے احکام اسلام کی پابندی اختیار کی۔

جرد کے علاقہ کے روافض (باطنی، اسماعیلی، حاکمی اور نصیری) قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں کو نقصان پہنچایا تھا، صلیبیوں اور تاتاریوں کو مسلمان ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی اور ان کو سہولتیں بہم پہنچائی تھیں، مسلمانوں کی بے بسی اور کم زوری سے فائدہ اٹھا کر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر دست درازیاں کی تھیں اور ان کو دشمنوں کے ہاتھوں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کیا تھا۔ ابن تیمیہؒ کے غیور اور باحمیت دل پر اس کا بڑا اثر تھا۔ وہ ان دنی الفطرت اور شریر النفس منافقوں کو معاف نہیں کر سکتے تھے، جنھوں نے ایسی کٹھن گھڑی اور نازک وقت میں مسلمانوں کو تنگ اور ذلیل کیا اور ان کے حریفوں کی مدد کی تھی۔ انہوں نے ان کو ان جرائم اور اس غداری کی پوری پوری سزا دینی چاہی اور اس کا انتظام کرنا چاہا کہ آئندہ کسی جنگ یا خطرہ کے موقع پر وہ مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ چنانچہ انھوں نے سلطان الناصر

(سلطانِ مصر وشام) کو ان کی طرف توجہ دلائی اور ان کی شرارتوں اور خطرات سے آگاہ کیا۔ ایک خط میں انھوں نے سلطان کو لکھا:

''جب تاتاریوں نے شام کا رخ کیا تو ان بدباطنوں (نصیریوں اور اسماعیلیوں) نے اسلامی افواج کے ساتھ بڑی بدسلوکیاں کیں۔ یہ وہی ہیں جنھوں نے اہل قبرص (عیسائیوں) کو پیغام بھیجا اور ساحل شام کے ایک حصہ پر ان کو قبضہ دلایا اور صلیب کا جھنڈا خود اٹھا کر چلے اور مسلمانوں کے گھوڑوں، ہتھیاروں اور قیدیوں کی اتنی تعداد انھوں نے برائے فروخت قبرص پہنچائی جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ بیس دن تک بازار لگا رہا، جس میں مسلمان اور گھوڑے اور ہتھیار اہل قبرص کے ہاتھ (جو صلیبی اور مسلمانوں کے حریف تھے) بکتے رہے۔ تاتاریوں کی آمد پر انھوں نے گھی کے چراغ جلائے، لیکن جب تاتاریوں سے مقابلے کے لیے اسلامی فوجیں مصر سے روانہ ہوئیں تو ان کے چہرے فق ہو گئے۔ پھر جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلطان کی آمد پر مسلمانوں کو فتح مبین عطا کی تو ان کے یہاں صفِ ماتم بچھ گئی۔ یہ اور اس سے بڑھ کر بہت کچھ ان کے ہاں پیش آیا۔ یہی چنگیز خان کو اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی دعوت دینے والے تھے۔ یہی ہلاکو کے بغداد پر تسلط، حلب کی بربادی اور صالحیہ کی غارت گری کا سبب تھے۔ اس کے علاوہ ان کی اسلام دشمنی اور مسلم کشی کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ ان کے پڑوس میں جو مسلمان رہتے ہیں، وہ بڑی مصیبت میں مبتلا تھے۔ ہر رات ان کی ٹولی پہاڑ سے اترتی اور وہ فساد برپا کرتی جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ ڈاکے ڈالتے، پرامن شریف گھرانوں کو پریشان کرتے اور جرائم کا ارتکاب کرتے۔ قبرص کے عیسائی ان کے علاقہ میں آتے تو ان کی میزبانی کرتے اور مسلمانوں کے ہتھیار ان کے حوالے کر دیتے۔ جو نیک اور صالح مسلمان ان کو ملتا یا تو اس کو قتل کر ڈالتے یا اس کا سب کچھ لوٹ لیتے۔ شاذ ونادر ہی کوئی ان سے بچ کر نکلتا۔'' ۳۳؎

علامہ ابنِ تیمیہؒ ۲ رمحرم ۷۰۵ھ کو ایک مہم کے ساتھ ان مفسدین وملحدین کے خلاف جہاد کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے نائب السلطنت ایک لشکر کے ساتھ دمشق سے روانہ ہوا اور جرد کے علاقہ اور روافض وتیامنہ کے پہاڑوں پر چڑھائی کی۔ سرکش قبائل کی اچھی طرح سرکوبی کی گئی اور پورے علاقہ کو، جو بہت دشوار گزار تھا، صاف کر دیا گیا۔ ابن تیمیہؒ نے فتویٰ دیا کہ بنوالنضیر کی طرح ان کے باغات کے درخت کاٹنا درست ہے، اس لیے کہ یہ اس میں کمین گاہ بناتے ہیں اور یہ ان کے فوجی اڈے اور سازش کی جگہیں ہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ''شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی موجودگی اور شرکت سے بڑی خیر حاصل ہوئی اور اس موقع پر ان کے علم وشجاعت کا بڑا ظہور ہوا۔ اسی کے ساتھ ان کے دشمنوں کے دل حسد اور غم سے لبریز ہو گیے''۔ ۳۴؎

ابن تیمیہؒ نے تمام غیر اسلامی وغیر شرعی بدعنوانیوں کے خلاف جد وجہد کی۔ شام کے نائب السلطنت سیف الدین نے شراب خانوں کی خاص سرپرستی کی تھی اور وہ اس کی آمدنی کا بڑا ذریعہ تھے۔ اس کے مختصر دور حکومت میں متعدد نئے شراب خانے قائم ہوئے۔ اب ان کے باقی رہنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ دمشق میں کوئی حاکم اور ذمہ دار افسر نہ تھا۔ ابن تیمیہؒ نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہوں نے اپنے تلامذہ اور احباب کے ساتھ پورے شہر کا دورہ کیا۔ جہاں بھی انہیں شراب خانہ نظر آیا، اس کے مٹکے اور جام توڑ ڈالے، شراب انڈیل دی اور ان مے خانوں میں جو اوباش مقیم تھے اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہو رہے تھے ان کی تعزیر کی۔ شہر میں عام طور پر اس کارروائی پر مسرت کا اظہار کیا گیا۔ ۳۵؎

الغرض علامہ ابن تیمیہؒ دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کی مصالحت اور مداہنت کے قائل نہیں تھے، البتہ شریعت کی حدود کے اندر رہ کر اور ولاء و براء کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے تمام مسلمانوں سے خیر خواہی اور حسن اخلاق کے علم بردار تھے، جس کی واضح مثال آپ کا اپنے مخالف علماء کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ آپ نے قدرت کے باوجود اپنے مخالفین سے کبھی بدلہ نہیں لیا، کیوں کہ آپ کی مخالفت صرف دین کے لیے تھی۔ انہوں نے کبھی ذاتی اغراض و مقاصد اور ہوائے

نفس کی پیروی کرتے ہوئے کسی کی مخالفت نہیں کی۔

(ب) حریتِ فکر کی دعوت

علامہ ابن تیمیہؒ دینی معاملات میں غیرت وحمیت کے باوجود فقہی معاملات میں تعصب اور تنازعہ کے قائل نہیں تھے، بلکہ توسع اور تنوع کے داعی تھے۔ آپ نے علماء کے احترام کی روش ڈالی اور جو لوگ فقہاء کرام خصوصاً ائمہ اربعہ کے بارے میں زبان طعن دراز کرتے تھے ان کا رد کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے '**رفع الملام عن الأئمة الأعلام**' تصنیف کی۔ اس کتاب میں آپ نے ان ائمہ کرام کی طرف سے صفائی پیش کی ہے جن کے اقوال سنتِ صحیحہ کے خلاف معلوم ہوتے ہیں اور اتنے قوی دلائل دیے ہیں کہ پڑھنے والا انھیں خطا کار نہ ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''مسلمانوں پر اللہ اور رسول کے بعد مومنین سے محبت وتعلقِ خاطر واجب ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے، خاص طور پر علماء سے محبت وموالات تو اور زیادہ ضروری ہے کہ وہ ورثۃ الانبیاء ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے رہ نما ستاروں کی طرح بنایا ہے، جو خشکی اور تری میں راستہ دکھاتے ہیں۔ مسلمان ان کی ہدایت اور درایت پر متفق ہیں۔ کیوں کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے دوسری قوموں کے علماء اشرار تھے۔ یہ خصوصیت ملت اسلامیہ ہی کو حاصل ہے کہ اس کے علماء خیر امت ہیں۔ یہ لوگ خلفائے رسول ہیں، سنت کا احیا کرنے والے ہیں، انہی کے دم سے کلام الٰہی کا چرچا ہے، قرآن ہی سے ان کا قیام ہے۔ یہ اس کے ترجمان ہیں، وہ ان کا ترجمان ہے۔ جاننا چاہیے کہ امت کے ائمہ مقبولین میں سے کوئی امام ایسا نہیں ہے جو جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کی چھوٹی یا بڑی سنت کی مخالفت کرے۔ ان تمام ائمہ کا اتباعِ رسول کے وجوب پر کامل اتفاق ہے۔ اس پر بھی یہ متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ہر ایک کا قول ترک کیا جا سکتا ہے۔ ائمہ مقبولین میں سے اگر کسی کا کوئی قول حدیث صحیح کے خلاف پایا جائے تو اس کی تین وجوہ ہو سکتی ہیں: (۱) یہ خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث

نہیں ہے۔(۲) یہ اعتقاد کہ مسئلہ زیر بحث کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔(۳) یہ اعتقاد کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔''۳۶؎

علامہ ابنِ تیمیہؒ دوسرے اہلِ علم کی قدر کرتے تھے، خواہ وہ ان کی رائے سے مخالف رائے کیوں نہ رکھتے ہوں۔ وہ اپنے مخالف پر لعن طعن نہیں کرتے تھے، نہ اسے جھوٹا قرار دیتے، نہ اس پر بہتان لگاتے، بلکہ اس کی طرف سے صفائی دیتے تھے۔ وسیع القلب عالم کی یہی شان ہوتی ہے، لیکن جو لوگ دین کی بنیادیں ڈھانے کی کوششوں میں مصروف تھے، نئے نئے عقائد ومسائل اسلام میں پیدا کر کے مسلمانوں کو مغالطوں میں مبتلا کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ظاہر میں وہ مسلمان تھے، لیکن ان کے اندر کفر تھا، ایسے لوگوں پر غیرت دینی کے تقاضے سے وہ بہت کڑھتے تھے۔

ساتواں اُصول: فائدہ مند طبعی علوم سے اِستفادہ

اصلاح وتجدید کا مطلب یہ نہیں کہ ہر چیز کو تبدیل کر دیا جائے، یا ہر چیز کا رد کیا جائے اور سابقہ علمی کاوشوں کو کلیتًا کالعدم قرار دے دیا جائے۔ علامہ ابنِ تیمیہؒ اس چیز سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جہاں یونانی فلسفہ اور منطق کا بھرپور رد کیا ہے وہیں طبعیات اور ریاضی جیسے یونانی علوم کی تحسین کی ہے، یعنی انہوں نے مروجہ علوم میں سے صرف ان علوم کا رد کیا ہے جو خلاف شریعت نتائج پیدا کرتے ہیں، باقی علوم کی تحسین کی ہے اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے درج ذیل امور کا اہتمام کیا:

(الف) طبعیات اور ریاضیات کا اعتراف

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے طبعیات وریاضیات کے بہت سے مسائل کی صحت ومعقولیت کا اقرار اور اس بارے میں علمائے یونان کی ذہانت کا اعتراف کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''طبعیات میں ان فلاسفہ کی جو گفتگو اور بحث ہے، اس کا اکثر حصہ بہتر ہے اور اُن کا کلام خاصا وسیع اور مفصل ہے۔ ان باتوں کو جاننے اور سمجھنے کے لیے وہ اچھا دماغ رکھتے تھے، بہت سے مباحث میں وہ حق کے جویا اور طالب نظر آتے ہیں اور ضد اور زبردستی سے کام نہیں لیتے۔''۳۷؎

اسی طرح علم حساب کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ریاضی کے یہ مسائل، جن سے اہلِ حساب بحث کرتے ہیں، ایسے معقول مسائل ہیں جن پر تمام اہل عقول کا اتفاق ہے اور ہر شخص اس سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے، اس لیے کہ وہ علم اور عمل دونوں کے لیے ضروری ہے۔ اس سے کس کو اختلاف ہوسکتا ہے کہ ایک کا عدد، دو کا نصف ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے سب قضایا کلّی اور واجب القبول ہیں، ان پر کوئی نقض وارد نہیں ہوسکتا۔" ۳۷

(ب) منطق کی حیثیت کی وضاحت

علامہ ابنِ تیمیہؒ نے منطق کو بالکل غلط اور ناجائز قرار نہیں دیا، بلکہ وہ اس کی اس حیثیت کا انکار کرتے ہیں جو اس دور میں مسلمانوں نے اس کو دے رکھی تھی۔ ان کے عہد میں عام خیال یہ تھا کہ منطق کے بغیر انسان حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور یہی میزانِ عقل ہے۔ آپ نے اس بات کا رد کیا اور واضح کیا کہ علوم شرعیہ کی تفہیم کے لیے منطق ضروری نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ منطق علومِ عقلیہ کی میزان ہے اور اس کی رعایت و پابندی ذہن کو فکری غلطی سے بچا لیتی ہے، جیسے فن عروض شعر کے لیے، صرف ونحو عربی کے مرکب ومفرد الفاظ کے لیے اور آلات ہیئت اوقات کے لیے میزان کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ عقلی علوم ان اسباب ادراک کے ذریعہ حاصل کیے جاسکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت میں ودیعت کیے ہیں۔ ان کا کسی شخص معیّن کے وضع کیے ہوئے میزان پر انحصار نہیں۔ جس طرح عربیت میں تقلید کے بغیر چارہ نہیں، اس لیے کہ وہ ایک قوم کی عادت ہے جو صرف سماع سے معلوم کی جاسکتی ہے اور اس کے قوانین کا ذریعہ علم صرف استقراء ہے، اسی طرح عقلیات میں تقلید نہیں چلتی۔ کیل، وزن، عدد وشمار اور زراعت وغیرہ میں پیمانوں وغیرہ کی ضرورت

ہے۔ منطقِ یونانی کی وضع وایجاد سے پہلے بھی دنیا کی قومیں حقایقِ اشیاء کو جانتی تھیں اور اس کے بعد بھی اکثر قومیں منطق کی مدد کے بغیر حقائق اشیاء کو جانتی سمجھتی ہیں اور تمام دنیا کی قوموں کے اکثر عقلاء ارسطو کے یہ اُصول وقواعد سیکھے بغیر حقائق کو سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی اگر اپنی حالت پر غور کریں گے تو ان کو محسوس ہوگا کہ ان کے نفوس کو اس وضعی فن کے بغیر حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔''۳۹

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ کے نزدیک منطق علوم عقلیہ کی میزان نہیں۔ اِس لحاظ سے تاریخ اسلامی میں وہ پہلے شخص ہیں جس نے اِس کو مستقل موضوع بنایا اور اس پر آزادانہ ومجتہدانہ گفتگو اور تنقید کی۔ اِس موضوع پر اُن کی دو کتب ہیں: ایک مختصر کتاب 'نقض المنطق' کے نام سے ہے اور دوسری مفصل کتاب 'الرد علی المنطقیین' ہے۔ اِن کتب میں اُنھوں نے ثابت کیا ہے کہ علمائے اسلام نے اس فن کو جتنی اہمیت دی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

(ج) منطق کے فوائد کا اقرار

علامہ ابنِ تیمیہؒ منطق کا بالکلیہ رد نہیں کرتے، بلکہ اس کے کچھ فوائد کا اقرار بھی کرتے ہیں، جیسا کہ اُنہوں نے وضاحت کی ہے:

'' یہ بات بھی ہے کہ علوم دقیقہ میں غور ومطالعہ سے ذہن کھلتا ہے اور اس کی مشق ہوتی ہے اور علم کی طاقت حاصل ہوتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے تیراندازی اور شہ سواری کی مشق سے نشانہ ٹھیک ہوتا ہے اور گھوڑے کی سواری آسان ہوجاتی ہے۔ چنانچہ لوگ جنگ سے پہلے ان چیزوں کی مشق کرتے ہیں۔ یہ ایک اچھا مقصد ہے۔''۴۰

اس سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ ابنِ تیمیہؒ نے اصلاح وتجدید کے کام میں 'خذ ما صفا ودع ما کدر' کی روش کو اپنایا ہے۔ اُنہوں نے ہر چیز کو تختۂ مشق نہیں بنایا اور نہ ہر فن کا انکار کیا ہے، بلکہ علوم وفنون میں سے جو چیزیں غلط اور خلافِ شریعت تھیں ان کا ابطال کیا ہے اور مختلف علوم میں جو چیزیں فائدہ مند تھیں ان کی

تحسین کی ہے۔ ان کا موقف تھا کہ منطق کے بارے میں غلو سے کام نہیں لینا چاہیے اوراس کوتسلیم کرنے کے لیے حدود سے تجاوزنہیں کرنا چاہیے۔ ان کے نزدیک اگر منطق کوایک میزان وترازو کا درجہ دیا جائے تو اس ترازو کا دائرہ عمل بہرحال محدود رہے گا۔ اس پر حقائق دینیہ کوتولنا ایسا ہی ہے جیسے لکڑی ،سیسہ اور پتھر تولنے والے ترازو سے سونے، چاندی اور جواہرات کوتولا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اتنی بات مسلّم ہے کہ لکڑی ،سیسہ اور پتھر تولنے کے لیے جوترازو بنائے گئے ہیں ، ان پر سونے چاندی کونہیں تولا جا سکتا۔ نبوت کا معاملہ اورانبیاء کرام جن حقائق کو لے کرآئے ہیں ، وہ علوم اس سے کہیں زیادہ ارفع اور نازک ہیں ۔ تمہاری منطق اس کے لیے کوئی میزان نہیں بن سکتی ، اس لیے کہ اس میزان میں جہل وظلم دونوں جمع ہیں۔ یا تو وہ ان کے وزن ودرجہ سے واقف نہیں اوران کو وزن کرنے اوران کی حیثیت بیان کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں، اس لیے جاہل ہے، یا وہ حق کا انکار کرتی ہے اوراس کوقبول نہیں کرتی ، اس لیے ظالم ہے ،حالاں کہ وہ حق ہے،جس کا طبائع انسانی کے پاس کوئی بدل نہیں اور نہ ان علوم سے کسی کو استغنا ہے اوراسی پر بنی نوع کی سعادت منحصر ہے۔''۴۱

آپ نے ابن عربی کے نظریۂ وحدۃ الوجود کا بڑی شدت سے رد کیا ،لیکن اس کے فلسفہ کی اچھی باتوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''ابنِ عربی کا نظریۂ وحدت الوجود تو کفر ہے ،لیکن وہ خود دوسرے متصوفین کے مقابلے میں اسلام سے زیادہ قریب ہیں۔ اس لیے کہ ان کے کلام میں اچھی باتیں بھی ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ دوسرے اتحادیین کی طرح اس پر مضبوطی سے قائم نہیں، بلکہ خیالات کے وسیع جنگل میں سرگرداں اورحیران ہیں،جن میں حق بھی ہے اور باطل بھی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اُن کا خاتمہ کس حالت پر ہوا۔''۴۲

خلاصۂ بحث:

یہی وہ اُصول ہیں جن پر علامہ ابنِ تیمیہؒ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے مبنی ہیں۔ اگر اس منہج کا بہ غور جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ یہ اعتدال پر مبنی ہے۔ آپ نے ہر معاملے میں افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال کا راستہ اختیار کیا۔ لوگ وحی اور عقل کی حدود کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار تھے۔ آپ نے ان کے سلسلے میں ایک معتدل نقطہ نظر پیش کیا۔ اسی طرح آپ نے اجتہاد اور تقلید کے درمیان اعتدال کو قائم رکھا۔ مختلف علوم وفنون سے استفادہ کرنے میں بھی آپ نے اعتدال کا مظاہرہ کیا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ کا منہج اعتدال کا منہج ہے اور اعتدال آپ کے منہج کی اہم ترین خوبی ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی، دارالوفائ، الطبعة الثالثة ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵، ۱۳/ ۱۳۵؛ ابن تیمیه، أحمدبن عبدالحلیم، رسالة الفرقان بین الحق والباطل، ص ۶۴

۲۔ حوالہ سابق، ص ۶۶

۳۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، درء تعارض العقل والنقل، مکتبة ابن تیمیة، المملکة العربیة السعودیة، الطبعة الاولی، ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ھ، ۱/ ۸۸

۴۔ عبدالعظیم، سعید، الدکتور، منهج شیخ الإسلام ابن تیمیه، دارالإیمان اسکندریه، ص ۴۲۔ ۴۳

۵۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، رسالة معارج الوصول، دارابن تیمیه، بیروت، لبنان، ۱۴۰۸ھ، ص ۵

۶۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، تفسیر سورة الاخلاص، دارالکتب العلمیة، بیروت، لبنان، الطبعة الثانیة، ۱۴۱۶ھ، ص ۵۷

۷۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، الرد علی المنطقیین، المطبعة القیمه، بمبئی، ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹م، ص ۳۹۵

۸۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، کتاب النبوات ، ادارة الطباعة المنیریة ، مصر، الطبعةالاولٰی،۱۳۴۶ھ،ص ۱۴۸
۹۔ کتاب النبوات،ص ۲۴۰
۱۰۔ الردعلی المنطقیین،ص ۳۲۱
۱۱۔ درء تعارض العقل والنقل،۱/ ۱۳۳
۱۲۔ حوالہ سابق،۱/ ۱۴۸
۱۳۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، الفتاوی الکبری ، دارالکتب العلمیة،بیروت، لبنان، ۲/۲۰۱-۲۰۲
۱۴۔ الفتاوی الکبریٰ، ۲/ ۳۸۶
۱۵۔ حوالہ سابق ۲/ ۳۸۴
۱۶۔ حوالہ سابق، ۲/ ۳۸۷
۱۷۔ حوالہ سابق، ۲/ ۳۷۶
۱۸۔ حوالہ سابق ، ۲/ ۳۸۴
۱۹۔ حوالہ سابق ۲/ ۳۸۵
۲۰۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، الرد علی البکری، مکتبة الغرباء الاثریة، المدینة المنورة،الطبعةالاولیٰ۱۴۱۷ھ، ۲/ ۷۳۱
۲۱۔مجموع الفتاویٰ، ۱/ ۱۲۶
۲۲۔ ابن تیمیه، أحمد بن عبدالحلیم، الرد علی الاخنائی واستحباب زیارة خیر البریة، المطبعةالسلفیة،القاهرة،مصر ۱۳۴۶ھ،ص ۶۶
۲۳۔ ابوزہرہ مصری، شیخ،حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، اُردو ترجمہ: رئیس احمد جعفری ندوی ،المکتبۃ السلفیۃ،لاہور،طبع دوم،مئی ۱۹۷۱ء ص ۶۷
۲۴۔ حوالہ سابق،ص ۳۱۹
۲۵۔ ابن تیمیه،أحمد بن عبدالحلیم : منهاج السنة النبویة فی نقص کلام الشیعة والقدریة،الطبعةالاولیٰ،المطبعةالکبری الامیریة،بولاق،مصر ۱۳۲۱ھ، ۳/ ۲۲۲
۲۶۔ حوالۂ سابق ۴/ ۵۶
۲۷۔ ابوزہرہ مصری، شیخ، ابن تیمیه حیاته وعصره آراؤه وفقهه، دارالفکر العربی، القاهرة، مصر ص ۴۳۶

۲۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، الجواب الصحیح لمن بدّل دین المسیح، دار الفضیلة، الریاض، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۴ء، ۲/ ۲۸۴

۲۹۔ ملاحظہ ھو الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح، ۲/ ۲۸۔ ۲۳۰

۳۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو : ندوی، ابوالحسن علی، سید: تاریخ دعوت وعزیمت مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲/ ۲۶۰۔ ۲۸۴

۳۱۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر: البدایة والنهایة، دار الکتب العلمیة، الطبعة الثالثة، ۱۴۰۶ھ: ۱۴/ ۲۳

۳۲۔ حوالہ سابق: ۱۴/ ۲۵

۳۳۔ عبدالهادی، محمد بن أحمد: العقود الدریة من مناقب الشیخ الاسلام أحمد ابن تیمیة، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۳۵۶/ ۱۹۳۸ئ، ص ۲۰۱

۳۴۔ البدایة والنهایة ۱۴/ ۳۵

۳۵۔ حوالہ سابق، ۱۴/ ۳۷

۳۶۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، رفع الملام عن الأئمة الاعلام، المکتبة العصریة، بیروت، لبنان، ص ۹۔ ۱۰

۳۷۔ الرد علی المنطقیین، ص ۱۴۳

۳۸۔ حوالہ سابق، ص ۱۳۴

۳۹۔ حوالۂ سابق، ص ۲۶۔ ۲۸

۴۰۔ حوالہ سابق، ص ۲۵۵

۴۱۔ نقض المنطق، ص ۶

۴۲۔ ابن تیمیة، أحمد بن عبدالحلیم، رسالة حقیقة مذهب الاتحادیین بین القائلین بوحدة الوجود، مکتبة دار ابن تیمیة، بیروت، لبنان، ۱۴۰۶ھ، ص ۴

☆☆☆

مباحثِ 'نہی' فقہاء و متکلمین کی کتبِ اصول میں

——————— جناب انوار حسین

'نہی' کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغت میں 'نہی' کے معنیٰ منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ اصول فقہ میں 'نہی' خاص کی اقسام میں سے ہے۔ علامہ عبدالعزیز بخاریؒ نے نہی کی تعریف یوں بیان کی ہے:

النهي في اللغة المنع ومنه النهية للعقل، لانه مانع عن القبيح۔ ۱؎

لغت میں نہی کے معنی روکنے کے ہیں۔ اسی سے عقل کو 'النہیۃ' کہا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ قبیحات سے روکتی ہے۔

انھوں نے 'نہی' کی بعض دوسری تعریفات بھی نقل کی ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:

هو استدعاء ترک الفعل بالقول ممن هو دونه، وقيل هو قول القائل لغيره لا تفعل على جهة الاستعلاء، وقيل هو اقتضاء كف عن فعل على جهة الاستعلاء۔ ۲؎

بذریعہ قول کسی سے ترک فعل کی استدعا کرنا 'نہی' کہلاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ علی سبیل الاستعلاء قائل کا اپنے غیر سے 'لاتفعل' کہنا نہی ہے، جب کہ دوسرے قول کے مطابق علی سبیل الاستعلاء فعل سے باز رہنے کا مطالبہ کرنا نہی کہلاتا ہے۔

علامہ سرخسیؒ نے نہی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

النهي لطلب مقتضى الامتناع عن الايجاد على أبلغ الوجوه مع بقاء اختيار للمخاطب فيه وذلک بوجوب الانتهاء۔ ۳؎

بہترین انداز میں کسی کام کو کرنے سے روکنے کا مطالبہ کرنا 'نہی' کہلاتا ہے، باوجود اس کے کہ مخاطب کے لیے اس کام کے کرنے کا اختیار باقی ہو اور یہ نہی ترکِ فعل کے لزوم کو ثابت کرتی ہے۔

علماء اصول کی اصطلاح میں نہی کے معنیٰ اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسرے کو 'لاتفعل' کہنا ہے۔ 'لاتفعل' سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ مراد نہیں ہے، بلکہ ہر وہ صیغہ مراد ہے جو 'کف' پر دلالت کرے۔ صیغۂ امر کی طرح صیغۂ نہی بھی خاص ہے، کیوں کہ صیغۂ نہی ایسا لفظ ہے جو معنی معلوم یعنی تحریم کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

امام قرافیؒ نہی کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

هو اللفظ الموضوع لطلب الترک طلباً جازماً۔ ۴

وہ لفظ جو لازمی طور پر ترک کا مطالبہ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

امام غزالیؒ نے نہی کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

النهی هو القول المقتضی ترک الفعل۔ ۵

نہی وہ قول ہے جو فعل کو ترک کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔

پس امر کی طرح نہی بھی خاص ہے، کیوں کہ صیغۂ نہی معنی معلوم کے لیے وضع کیا جاتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھتے ہوئے غیر کو 'لاتفعل' کہنا نہی کے زمرہ میں شامل ہے۔

طلبِ کف پر دلالت کے صیغے

طلبِ کف، یعنی عدم مطالبۂ فعل کے صیغہ کی کئی شکلیں ہیں:

فعل نہی ہو۔ زیادہ تر یہی صیغہ استعمال ہوتا ہے، جیسے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (البقرۃ: ۱۸۸)

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

امر کا صیغہ، جو طلبِ کف پر دلالت کرے، جیسے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔ (الحج: ۵۷)

تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔

نہی کا مادہ استعمال کیا گیا ہو، اگرچہ فعل نہی کا صیغہ نہ ہو:

وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ۔(النحل:۹۰)

اور بے حیائی اور نامعقول کاموں اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

جملہ خبریہ ہو، لیکن حرمت کا ذکر ہو، یا حلت کی نفی ہو، جیسے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنَاتُ الأَخِ وَبَنَاتُ الأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ اللاّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُم۔ (النسائی ۲۳:)

تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کردی گئی ہیں۔

فعل نہی کا استعمال

فعل امر کی طرح فعل 'نہی' کا استعمال بھی ایک سے زائد معنوں میں ہوتا ہے۔مثلاً تحریم کے لیے، نصیحت کے لیے، شفقت کے اظہار کے لیے، کراہت کے لیے اور انجام وغیرہ کے بیان کے لیے۔کشف الاسرار میں فعل نہی کے استعمال کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

ثم صيغة النهى وان كانت مترددة بين التحريم كقوله تعالى:وَلاَ تَقْرَبُواْ الزِّنَى(الاسراء۳۲:) والكراهة كقوله تعالى :وَذَرُوا الْبَيْعَ(الجمعۃ۹:) إذ معناه ولا تبايعوا، والتحقير كقوله تعالى :وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡکَ (طہ۱۳۱:) الآية، وبيان العاقبة كقوله تعالى:وَلاَ تَحْسَبَنَّ اللّهَ غَافِلاً (ابراہیم ۴۲:) والدعاء كقول الداعى :لا تكلنى الى نفسى، والتأسى كقوله تعالى:لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْم (التحریم۷:) والإرشاد كقوله تعالى:لاَ تَسْأَلُواْ عَنْ أَشْيَاءَ (المائدۃ۱۰۱:)

والشفقة كقوله عليه السلام "لا تتخذوالدواب كراسى" فهى مجاز فى غير التحريم والكراهة بالاتفاق۔٦

نہی کا صیغہ ان معانی متعددہ کا احتمال رکھتا ہے: تحریم کا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (زنا کے قریب نہ جاؤ) کراہیت کا، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (نماز جمعہ کے وقت خرید و فروخت چھوڑ دو) تحقیر کا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (دنیاوی شان وشوکت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو) انجام کا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (اللہ کو غافل نہ سمجھو) دعا کا، جیسا کہ دعا کرنے والا کہتا ہے (مجھے بے یار مددگار نہ چھوڑ) مایوسی، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے (آج عذر پیش نہ کرو) نصیحت کے لیے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے (ایسی چیزوں کے بارے میں نہ پوچھو) شفقت، جیسے اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے (جانوروں کو کرسی نہ بناؤ)۔ نہی کا استعمال تحریم اور کراہت کے علاوہ مجازی معنی میں بھی ہوتا ہے۔

فعل نہی کا حقیقی استعمال

جمہور فقہاء کے نزدیک 'نہی' کا استعمال تحریم میں حقیقی معنیٰ میں ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک کراہت میں اس کا معنی حقیقی ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک دونوں میں اس کا معنی حقیقی ہے۔ علامہ عبدالعزیز بخاریؒ تحریر کرتے ہیں:

مقتضى النهى شرعا قبح المنهى عنه، كما ان مقتضى الامر حسن المأمور به،لان الحكيم لاينهى عن فعل الالقبحه، كما لا يأمر بشيء الا لحسنه، قال تعالى :وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْى(النحل۹۰:) فكان القبح من مقتضياته شرعاً لالغةً۔٧

نہی کا اقتضاء منہی عنہ کی شرعی اعتبار سے قباحت ہے، جیسا کہ امر کا مقتضی مامور کام کا حسن ہے، کیوں کہ حکیم ذات کسی فعل سے اس کی

قباحت کی وجہ سے ہی منع نہیں کرتی ہے۔اسی طرح وہ کسی چیز کا حکم اس کے حسن کی وجہ سے ہی دیتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے(وہ فحش باتوں اور غلط کاموں سے روکتا ہے) گویا جس چیز سے منع کیا جائے اس میں قبح شرعی اعتبار سے ہوگا نہ کہ لغوی اعتبار سے۔

اصول الشاشی ۸؎ اور نور الانوار ۹؎ میں بھی فعل نہی کا حقیقی استعمال تحریم کے لیے ہی ذکر ہوا ہے۔ مالکی فقیہ امام قرافیؒ لکھتے ہیں:

النهي عندنا للتحريم۔۱۰؎

نہی ہمارے نزدیک تحریم کے لیے ہے۔

حاصل یہ کہ جمہور فقہاء کے نزدیک 'نہی' کا استعمال تحریم پر دلالت کے لیے ہوتا ہے۔

نہی کی اقسام

علماء اصول نے نہی کی دو اقسام ذکر کی ہیں۔مصنف اصول الشاشیؒ لکھتے ہیں:

النهي نوعان:نهي عن الأفعال الحسية، كالزنا وشرب الخمر والكذب والظلم، ونهي عن التصرفات الشرعية، كالنهي عن الصوم في يوم النحر والصلوة في الأوقات المكروهة وبيع الدرهم بالدرهمين۔۱۱؎

''نہی کی دو قسمیں ہیں:ایک افعال حسیہ سے نہی، جیسے زنا،شراب نوشی، جھوٹ اور ظلم۔ دوم تصرفات شرعیہ سے نہی، جیسے یوم نحرم میں روزے سے نہی، اوقات مکروہ میں نماز سے نہی اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنے کی نہی۔''

نورالانوار میں بھی یہی تقسیم بیان ہوئی ہے۔ شارح نورالانوار افعال حسیہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افعال حسیہ سے مراد یہ ہے کہ ان افعال کے معانی، ورود شرع سے پہلے ہی سے ہوں اور ہنوز اپنے حال پر باقی ہوں۔شریعت کی وجہ سے

ان میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا ہو، جیسے قتل ، زنا اور شراب نوشی وغیرہ۔'' ۱۲؎

ابن حبیب الحلبی نے بھی انہی دو اقسام کا تذکرہ کیا ہے:

النهي عن الأفعال الحسية من الأول وعن الشرعية من الثاني۔ ۱۳؎

نہی کی دو قسمیں ہیں: ایک افعال حسیہ سے نہی اور دوسری افعال شرعیہ سے نہی۔

نہی اور صفتِ قبح

نہی میں صفت قبح کبھی عین میں پائی جاتی ہے اور کبھی معنی غیرہ میں۔ اس کی وضاحت درج ذیل ہے:

النهي ينقسم في صفة القبح كالأمر في الحسن الأول ماقبح لمعنى في عينه وضعاً او شرعاً والثاني ماقبح لمعنى في غيره وصفاً ومجاوراً۔ ۱۴؎

''نہی میں قبح کی صفت پائی جاتی ہے، جس طرح امر میں حسن کی صفت پائی جاتی ہے: پہلا یعنی عین میں قبح پایا جانا۔ یہ یا تو وضعی ہوتا ہے یا شرعی۔ دوسرا معنی فی غیرہ میں قبح کا پایا جانا۔ یہ یا تو صفتاً ہوتا ہے یا مجاوراً۔''

اس عبارت کا مقصد یہ ہے کہ شارع جس چیز سے منع کرتا ہے، اس میں قبح یا تو عین میں موجود ہوگا یا معنی میں۔ اگر قبح عین میں موجود ہو تو اس کی دو اقسام ہیں: اول وضعی اور دوسری شرعی۔

وضعی کی مثال کفر ہے، یعنی کفر میں قبح کی صفت وضعاً پائی جاتی ہے، اسی لیے کافر کو جب کافر کہا جائے تو وہ چیخ اٹھتا ہے اور جدید متجد دین کافر کے بجائے غیر مسلم کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تاکہ ان کی طبیعت پر گراں نہ گزرے۔

شرعی کی مثال محدث (حدث کا شکار ہونے والے) کی نماز ہے، یعنی اس میں وضعاً قباحت نہیں، مگر شرعاً قباحت موجود ہے۔ اس میں اہلیتِ ادا متاثر ہوتی ہے۔

'قبح لمعنی فی غیرہ' کی دو اقسام صفتاً اور مجاوراً بیان کی گئی ہیں۔ ان کی وضاحت درج ذیل ہے:

صفتاً کی مثال یوم النحر میں روزہ رکھنا ہے۔ روزہ رکھنا اپنی ذات میں اچھا فعل ہے، لیکن عید والے دن روزہ رکھنا منع ہے۔ اگر کوئی رکھ لے تو روزہ نہیں ہوگا۔

مجاوراً کی مثال یہ ہے کہ جمعہ کے دن اذانِ جمعہ کے وقت اور اس کے بعد بیع سے روکا گیا ہے اور سعی للجمعۃ کی ترغیب دی گئی ہے، البتہ نماز جمعہ کے بعد بیع میں مشغول ہوجانے کی اجازت ہے۔ لہٰذا بیع اپنی ذات میں منع نہیں، لیکن مجاوراً منع ہے۔

نورالانوار کے مصنف لکھتے ہیں:

انہ یقتضی صفۃ القبح للمنہی عنہ۔ ۱۵؎

نہی منہی عنہ کے لیے صفت قبح کا تقاضا کرتی ہے۔

نورالانوار میں بھی نہی کی یہی تقسیم کی گئی ہے۔ غرض یہ کہ فقہاء اور متکلمین کے نزدیک اس بات پر اتفاق ہے کہ شارع نے کسی فعل سے اس لیے منع کیا ہے کہ وہ فعل قبیح ہے، یعنی جو قبح نفس الامر میں موجود ہوتا ہے، شارع نہی کے ذریعہ اس کو ظاہر کردیتا ہے۔

نہی فساد کا تقاضا کرتا ہے۔

نہی میں صفت قبح موجود ہوتی ہے۔ اس میں فقہاء اور متکلمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہی فساد کا تقاضا کرتا ہے۔

امام الحرمینؒ لکھتے ہیں:

النھی استدعاء الترک بالقول ممن ھو دونہ علی سبیل الوجوب، ویدل علی فساد المنہی عنہ۔۱۶؎

نہی اپنے سے کم تر کو علی سبیل الوجوب ترک کرنے کا حکم دینا ہے اور یہ

منہی عنہ کے فساد پر دلالت کرتا ہے۔

نورالانوار کے مصنفؒ لکھتے ہیں:

انه يقتضى صفة القبح للمنهى عنه ضرورة حكمة الناهى، والحكيم انما ينهى عن الفحشاء والمنكر۔ ۱۷؎

نہی، منہی عنہ کے لیے صفتِ قبح کا تقاضا کرتی ہے، اس لیے کہ نہی کرنے والے کی حکمت بدیہی ہے اور حکیم بے حیائی اور بری باتوں سے روکتا ہے۔

علامہ جصاصؒ لکھتے ہیں:

هذا مذهب السلف وفقهاء الأمصار، لانعلم أن احدًا منهم قال: ان النهى لايدل على فساد۔ ۱۸؎

یہ سلف کا مذہب ہے اور فقہاء امصار کا بھی۔ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی نے کہا ہو کہ نہی فساد پر دلالت نہیں کرتا۔

ابواسحاق الشیرازی: فرماتے ہیں:

النهى يدل على فساد المنهى عنه۔ ۱۹؎

نہی، منہی عنہ کے فساد پر دلالت کرتا ہے۔

جس چیز سے روکا گیا ہے اگر اس کے اندر فساد نہ ہو تو شارع اس سے کیوں منع کرے گا؟ لہٰذا اس امر پر اتفاق ہے کہ نہی، منہی عنہ کے فساد پر دلیل ہے۔

خلاصۂ بحث

نہی اور اس سے متعلق مباحث کو درج ذیل نکات کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے:

☆ لغت میں نہی کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔

☆ علماء اصول کی اصطلاح میں نہی کے معنی اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسرے کو 'لاتفعل' کہنا ہے۔

☆ 'لاتفعل' سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ مراد نہیں ہے، بلکہ ہر وہ صیغہ مراد ہوتا ہے جو 'کف' (ممانعت) پر دلالت کرے۔صیغۂ امر کی طرح صیغۂ نہی بھی خاص ہے، کیوں کہ صیغۂ نہی ایسا لفظ ہے جو معنی معلوم یعنی تحریم کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

☆فعل امر کی طرح فعل نہی کا استعمال بھی ایک سے زائد معنوں میں ہوتا ہے، مثلاً تحریم کے لیے، نصیحت کے لیے، شفقت کے اظہار کے لیے، کراہت کے لیے اور انجام وغیرہ کے بیان کے لیے۔

☆ نہی کے حقیقی استعمال کے ضمن میں علمائے اصول کے درمیان اختلاف ہے۔بعض کے نزدیک نہی کراہت میں حقیقت ہے اور بعض کے نزدیک کراہت اور تحریم میں مشترک ہے، لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک 'نہی' کا استعمال تحریم میں حقیقت ہے۔

☆ نہی کی دو اقسام بیان کی گئی ہیں: افعال حسیہ میں نہی اور تصرفات شرعیہ میں نہی۔اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں۔

☆ نہی میں صفتِ قبح موجود ہوتی ہے۔اس میں بھی فقہاء اور متکلمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

☆جس چیز سے روکا گیا ہے، اگر اس کے اندر فساد نہ ہو تو شارع اس سے کیوں منع کرے گا؟ لہٰذا اس امر پر اتفاق ہے کہ نہی، منہی عنہ کے فساد پر دلیل ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ بخاری، عبدالعزیز بن احمد، کشف الاسرار عن اصول فخر الاسلام البزدوی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۷، ج۱، ص۳۷۶۔

۲۔ حوالہ سابق

۳۔ سرخسی، محمد بن احمد، اصول السرخسی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، ج۱، ص۹۵۔

۴۔ قرافی، شہاب الدین، تنقیح الفصول، دارالفکر، عمان، ۲۰۰۸ئ، ص۴۳۔

۵۔ غزالی، محمد بن احمد، ابوحامد، المستصفی فی الاصول، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ئ، ص۲۰۲۔

۶۔ کشف الاسرار، ج۱، ص ۳۷۴ ۷۔حوالہ سابق
۸۔ اصول الشاشی، ص ۱۶۵
۹۔ ملا جیون، نورالانوار شرح رسالۃ المنار، مکتبۃ البشریٰ، کراچی، ۲۰۰۸ئ، ج۱، ص ۱۷۵ تا ۱۸۰۔
۱۰۔ تنقیح الفصول فی الاصول، ص ۴۶۔ ۱۱۔ اصول الشاشی، ص ۱۶۵۔
۱۲۔ سکروڈوی، جمیل احمد، مولانا، قوت الاخیار شرح اردو نور الانوار، المیزان، لاہور، ۲۰۰۴ئ، ج۱، ص ۳۲۵۔
۱۳۔ الحلبی، ابن حبیب، مختصر المنار، دار صادر، بیروت، ۲۰۰۶ء، ص ۷
۱۴۔ حوالہ سابق ۱۵۔ نورالانوار، ج۱، ص ۱۷۵ تا ۱۸۰
۱۶۔ الجوینی، امام الحرمین، الورقات فی اصول الفقہ، مکتبۃ الوداعی، صنعائ، ۲۰۱۰ئ، ص ۳۰
۱۷۔ نورالانوار، ج۱، ص ۱۷۶ تا ۱۸۱
۱۸۔ الجصاص، احمد بن علی الرازی، الفصول فی الاصول، وزارۃ الاوقاف والشیون الاسلامیۃ، الگویت، ج۲، ص ۱۷۶
۱۹۔ الشیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی، اللمع فی اصول الفقہ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۔

توحید اور قیامِ عدل

مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدہ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار و خیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ شامل ہے۔

صفحات: ۹۲ قیمت: ۵۰

۴۸۶

تعارف وتبصرہ

جہاد اور روحِ جہاد مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی

ناشر: ہدایت پبلیشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرس، نئی دہلی، ۲۵، ۲۰۱۷ئ، صفحات: ۳۸۴، قیمت ۔/۳۰۰ روپے

اسلام کے جن احکام و تعلیمات پر موجودہ دور میں سب سے زیادہ اعتراضات کیے گئے ہیں ان میں سے ایک 'جہاد' ہے۔ اسے ناحق قتل وخوں ریزی، ظلم وتشدد اور بربریت کے ہم معنیٰ قرار دے دیا گیا ہے، یہاں تک کہ یہ لفظ سنتے ہی لوگوں کی نگاہوں کے سامنے خوف و دہشت کے سایے منڈلانے لگتے ہیں۔ گزشتہ صدی کے ربع اول میں ایک مخصوص واقعہ کے پس منظر میں جب 'جہاد' کو نشانہ بنایا گیا تو مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی حمیت جاگ اٹھی۔ چنانچہ انھوں نے اسلام کے تصورِ جہاد پر مقالات کا ایک سلسلہ شروع کیا، جو بعد میں ان کی معرکہ آرا کتاب 'الجہاد فی الاسلام' کی صورت میں شائع ہوا۔ پوری صدی میں یہی کتاب اس موضوع پر 'قولِ محکم' کی حیثیت میں علمی حلقوں میں چھائی رہی۔ اب رواں صدی میں علماء کی توجہ پھر اس موضوع کی طرف ہوئی ہے اور متعدد کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ ان میں علامہ یوسف القرضاوی کی 'فقہ الجہاد' بہت نمایاں ہے۔ اردو میں 'جہاد کیا ہے؟' (مولانا یحییٰ نعمانی)، 'جہاد: ایک مطالعہ' (مولانا عمار خان ناصر) اور 'جہاد، مزاحمت اور بغاوت' (ڈاکٹر محمد مشتاق) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مولانا سید جلال الدین عمری نے بھی اس موضوع پر تحقیقات اسلامی میں سات (۷) قسطوں میں لکھا ہے، لیکن ابھی اس کی اشاعت کتابی صورت میں نہیں ہوسکی ہے۔ اب مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کی زیرِ نظر کتاب 'جہاد اور روحِ جہاد' شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب میں تیرہ (۱۳) ابواب کے تحت جہاد کے تمام پہلوؤں پر بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے پیش نظر اس موضوع پر قدماء کی تحریریں بھی ہیں اور موجودہ دور کے اصحاب علم کی کتابیں بھی۔ انھوں نے کہیں کہیں

ان کے حوالے دیے ہیں، لیکن زیادہ تر مقامات پر اور خاص طور سے جہاں دوسروں کی آراء پر تنقید کی ہے، ان کا نام اور ان کی کتابوں کے حوالے دینے سے گریز کیا ہے اور 'ایک معروف عالم دین'، 'ایک معزز عالم دین'، 'ایک بزرگ عالم دین'، 'ایک بڑے عالم دین' اور 'اردو دنیا کے ایک بڑے دانش ور' جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اب ایک عام قاری کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہے کہ کون سی بات کس کی جانب منسوب کی گئی ہے۔ اس سے غالباً مصنف کا مقصد یہ ہے کہ قاری شخصیات کے ناموں میں الجھنے کے بجائے ان کی آراء پر توجہ دے اور مصنف کے محاکمہ کی روشنی میں ان کے صحیح اور غلط ہونے کا فیصلہ کرے، لیکن اقتباسات کے حوالے دینا اور انھیں ان کے مصنفین کی جانب منسوب کرنا ایک پسندیدہ، بلکہ بسا اوقات ناگزیر علمی روایت ہے۔ اس کی پابندی ہونی چاہیے۔

کتاب کے ابتدائی دو ابواب میں فاضل مصنف نے بہت اختصار کے ساتھ جہاد کا مفہوم اور اس کی روح بیان کی ہے۔ تیسرے باب (ص ۴۷ تا ۱۲۵) میں، جو ذرا مفصل ہے، جہاد کا مقصد زیر بحث آیا ہے۔ اس میں تین نقطہ ہائے نظر پیش کیے گئے ہیں: پہلا یہ کہ کفار و مشرکین کا جو گروہ بھی کفر و شرک پر اصرار کرے اور حق واضح ہوجانے کے باوجود اسلام قبول نہ کرے اس سے جنگ کی جائے۔ دوسرا یہ کہ اہل کفر کو روئے زمین پر جینے کا حق تو ہے، لیکن اس سے آگے حکومت کرنے کا حق نہیں ہے، لہٰذا جہاد کے ذریعے ایسی حکومتوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر کو غلط قرار دیتے ہوئے مصنف نے تیسرے نقطۂ نظر کو درست قرار دیا ہے کہ ''مسلح جہاد کا مقصد ہے اس زمین سے ظلم و استبداد ختم کرنا، اس دھرتی پر بسنے والے ہر مظلوم و لاچار انسان کی آزادی اور عزت کی حفاظت کرنا''۔ (ص ۸۶) پوری کتاب مصنف کے اسی نقطۂ نظر کے گرد گردش کرتی ہے: ''اسلام کا جہاد کسی مذہب یا دین کے خلاف نہیں ہوتا۔ جہاد ہمیشہ ان طاقتوں یا حکومتوں سے ہوتا ہے جو ظلم و استبداد کی عادی ہو جاتی ہیں''۔ (ص ۲۷) ''رحمت عالم ﷺ نے کبھی غلبۂ اسلام کے لیے فوج کشی نہیں کی۔ آپ کی ساری لڑائیاں ظالموں کا مقابلہ کرنے اور ان کے ظلم و استبداد کو توڑنے کے لیے ہوئیں''۔ (ص ۶۱)

''قرآن پاک میں قتال فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کا جہاں جہاں حکم دیا گیا ہے، اس سے مقصود مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کی سرکوبی ہے''۔ (ص ۱۲۳)

دوسرے نقطۂ نظر کے حامل 'ایک بزرگ عالم دین' سے مصنف نے غالباً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو مراد لیا ہے اور ان کی کتاب 'الجہاد فی الاسلام' کے اقتباسات درج کیے ہیں۔ یہ کتاب مولانا کی اولین تصنیف ہے، جو (۱۹۲۴ء میں) شائع ہوئی تھی۔ بعد میں خواہش کے باوجود مولانا کو اس پر نظر ثانی کرنے کا موقع نہیں ملا۔ بعد میں اپنی تفسیر 'تفہیم القرآن' میں انھوں نے جا بجا اسلام کے تصور جہاد پر جو کچھ لکھا ہے، اس سے اس موضوع پر ان کی فکر میں ارتقاء محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے ان پر نقد کرتے وقت تفہیم القرآن کی تحریروں کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

چوتھا باب 'حضرت سلیمان اور ملکۂ سبا' کے عنوان سے ہے۔ اس میں مصنف نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی لیے فوج کشی کی کہ وہ ظلم و جبر پر قائم تھی۔ پانچویں باب میں جہاد کے ضروری عناصر (بلند ایمانی کردار، مضبوط و مستحکم اجتماعیت، جان دار صالح قیادت، کامل منصوبہ بندی اور آزاد اور مضبوط سلطنت) کی تشریح کی گئی ہے۔ چھٹے باب کا موضوع 'جہاد اور امن عالم' ہے۔ اس میں 'ایک بڑے دانش ور اور روحانیت کے علم بردار' (غالباً اس سے مراد مولانا وحید الدین خاں ہیں) کے افکار کا (صلح حدیبیہ کے حوالے سے) محاکمہ کیا ہے۔ ساتویں باب میں مصنف نے واضح کیا ہے کہ قرآن پاک میں ظالم حکومتوں سے صلح کرنے کی کہیں ترغیب نہیں دی گئی ہے۔ آٹھویں باب میں جہاد کی دفاعی حکمت عملی سے بحث ہے۔ نویں باب میں جہاد کے آداب بیان کیے گئے ہیں۔ فاضل مصنف نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ جنگ کے دوران میں اور عام حالات میں کسی دشمن کو Kidnape کرنا یا اسے دھوکے سے قتل کرنا جائز نہیں۔ (ص ۲۳۶) اس ضمن میں انھوں نے یہودی سردار کعب بن اشرف کے واقعۂ قتل سے بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''کعب بن اشرف کے قتل کی پوری کہانی فرضی ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس سے متعلق روایات میں اتنی ساری

الجھنیں اور اتنی ساری پیچیدگیاں ہیں جو اسے ایک فرضی داستان قرار دینے کے لیے کافی ہیں (ص ۲۳۷ ـ ۲۴۵) فاضل مصنف نے اس سلسلے میں مصنف عبدالرزاق، ابن شبّہ کی تاریخ المدینہ، معجم کبیر طبرانی اور ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں مذکور روایات کا تو حوالہ دیا ہے اور ان پر متعدد اشکالات وارد کیے ہیں، لیکن صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں موجود روایات کا نہ حوالہ دیا ہے اور نہ ان سے کوئی بحث کی ہے۔

دسواں باب جزیہ پر ہے۔ مصنف کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جزیہ، جس کا قرآن (التوبۃ: ۲۹) میں حکم دیا گیا ہے، مسلم فوج سے مغلوب ہونے والے عوام سے نہیں لیا گیا ہے، جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے، بلکہ اس ظالم حکومت سے لیا گیا ہے جس نے جنگ کر کے اسلامی حکومت نے اسے مغلوب کیا ہے۔ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں عوام کے تعلق سے جس جزیہ کا ذکر آتا ہے، وہ حقیقت میں جزیہ نہیں، بلکہ سرکاری ٹیکس تھا جو حکومتیں اپنے عوام پر عائد کرتی ہیں'' ۔ (ص ۲۶۴ ـ ۲۶۵)

گیارہویں باب کا عنوان 'جنگی قیدیوں کا مسیلۂ' ہے۔ اس میں فاضل مصنف نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ '' قرآنی حکم کی رو سے دشمن کے فوجیوں کو قید کرنے کے بعد نہ قتل کیا جا سکتا ہے نہ انھیں غلام اور باندی بنایا جا سکتا ہے'' ۔ (ص ۳۷۶) اس ضمن میں انھوں نے غزوۂ بنی قریظہ پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ کتبِ حدیث و سیرت میں تو مذکور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے مردوں کو قتل کروایا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا، لیکن فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ '' یہ تمام روایات پایۂ اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔'' (ص ۳۸۹) وہ لکھتے ہیں کہ '' قیدیوں کو غلام اور باندی بنانے کی اور بھی روایتیں ہیں، مگر ان سب کی سندیں نہایت کم زور اور نا قابلِ استناد ہیں، پھر ان کی یہ کم زوری کیا کم ہے کہ وہ قرآن پاک سے واضح طور سے ٹکراتی ہیں'' ۔ (ص ۳۰۳) مصنف اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ بنو قریظہ کے کچھ لوگوں کو قید کیا گیا تھا، اس لیے کہ قرآن مجید میں اس کی صراحت ہے (وَتَاسِرُونَ فَرِيقًا۔ الاحزاب: ۲۶) لیکن وہ یہ نہیں بتاتے کہ بعد میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا تھا؟ کیا انھیں مختصر مدت کے لیے قید کیا

گیا تھا یا عمر قید کی سزا کی گئی تھی؟ اور کیا عہد نبویؐ میں موجودہ دور کی طرح قید خانے موجود تھے، جن میں قیدیوں کو الگ تھلگ رکھا جاتا تھا؟

کتاب کے آخری دو ابواب موجودہ حالات کے پس منظر میں ہیں۔ بارہویں باب کا عنوان ہے: 'جہاد عصر حاضر میں'۔ اس میں مصنف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جہاد بھرپور تیاری اور مؤثر وسائل فراہم کرنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے بعض ان حضرات پر نقد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ گنتی کے چند افراد بھی اکٹھا ہو کر جہاد کر سکتے ہیں۔ تیرہویں باب میں فاضل مصنف نے بیان کیا ہے کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان دوسری قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں وسعت نظری اور آفاقیت کا ثبوت دیں۔ وہ ہر ملک کو اپنا میدان عمل سمجھیں۔ ظالموں کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لیے صبر و تحمل، زبردست حکمت و تدبیر اور طویل المیعاد منصوبہ تیار کریں۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بگڑی ہوئی امیج کو درست کریں اور عصری علوم میں مہارت حاصل کریں کہ موجودہ دور میں یہی طاقت وقوت کی علامت ہیں۔

کتاب کے مرکزی موضوع سے ہٹ کر بھی فاضل مصنف نے بعض باتیں اب تک کی تحقیقات سے ہٹ کر کہی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ''جنگ احد میں مسلمانوں کو فتح مبین یعنی شان دار فتح حاصل ہوئی تھی، یہ بات کسی طور سے صحیح نہیں ہے کہ اس میں مسلم فوج کو شکست ہوئی تھی، جب کہ اس کی قیادت براہ راست اللہ کے رسول ﷺ فرما رہے تھے''۔ (ص ۲۱۲) اسی طرح ان کا خیال ہے کہ جنگ موتہ میں اسلامی فوج کو فتح ہوئی تھی، رومی لشکر بری طرح ناکام ہوا تھا، اس کے مقتولین کا کوئی شمار نہیں تھا، اس لشکر کے بے شمار آدمی مارے گئے، جس سے ان کے اندر دہشت پھیل گئی اور مسلم فوج کی زبردست دھاک بیٹھ گئی''۔ (ص ۲۱۸) حالاں کہ یہ باتیں تاریخی حقائق کے خلاف ہیں۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''بہت سے لوگوں نے اہل ایمان کے لیے اہل کتاب کا ذبیحہ حلال کر دیا اور یہودی اور عیسائی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز کر دیا، جب کہ یہ دونوں چیزیں کتاب وسنت میں سرتاسر حرام ہیں، قرآن پاک میں

اہل ایمان کے لیے جن اہل کتاب کا طعام حلال کیا گیا ہے، وہ مومن اہل کتاب ہیں اور جن یہودی اور عیسائی عورتوں سے اہل اسلام کا نکاح حلال کیا گیا ہے، یہ وہ عورتیں ہیں جو اللہ پر ایمان لا کر امتِ اسلام میں شامل ہو جائیں'' ۔(ص ۱۰۴) سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد پھر انھیں 'یَا أَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا' کہنے کے بہ جائے 'الَّذِینَ أُوتُوا الْکِتَابَ' کیوں کہا گیا؟

مصنف کا احادیث کے نقد و تنقیح کا پیمانہ عجیب ہے۔ ان کے نزدیک وہ اس وجہ سے بھی ناقابل قبول ہو سکتی ہیں کہ ان کے فہمِ قرآن کی رو سے درست نہیں معلوم ہوتیں۔ مثلاً حدیث 'اُمِرتُ أَن اُقَاتِلَ النَّاس' کے ناقابل قبول ہونے کی ایک وجہ ان کے نزدیک یہ بھی ہے کہ قرآن میں گیارہ (۱۱) مرتبہ 'اُمِرْتُ' اور دو (۲) مرتبہ 'اُمِرْتَ' کے الفاظ آئے ہیں، مگر کہیں بھی وہ بات نہیں کہی گئی ہے جو حدیث میں مذکور ہے'' ۔ (ص ۵۶) اسی طرح حدیث 'مَن قُتِلَ دُونَ مَالِہٖ فَھُوَ شَہِید' کی صحت مشکوک ٹھہرنے کے لیے ان کے نزدیک یہ کافی ہے کہ اس کی بعض سندوں میں کوئی ایسا راوی ہے جسے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، حالاں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں صحیح سندوں سے مروی ہے (بخاری: ۲۴۸۰، مسلم: ۱۴۱، ابو داؤد: ۴۷۷۲، ترمذی: ۱۴۱۸، نسائی: ۴۰۸۷، ابن ماجہ: ۲۵۸۰) انھوں نے اس سلسلے میں ابن قتیبہ کی کتاب 'تاویل مختلف الحدیث' کا حوالہ دیا ہے، حالاں کہ نقل کردہ عبارت دینوری کی نہیں، بلکہ المکتب الاسلامی بیروت، ۱۹۹۹ کے اڈیشن کے محقق محمد محی الدین الاصفر کی ہے۔ (ملاحظہ کیجیے مذکورہ کتاب کا حاشیہ ص ۴۸)

فاضل مصنف نے اس کتاب میں اسلام کے تصور جہاد پر اپنے خیالات کا بہت اعتماد اور جرأت کے ساتھ اظہار کیا ہے اور بہت سی ایسی باتیں کہی ہیں جو جمہور کی رائے سے ہٹی ہوئی ہیں۔ امید ہے، علمی حلقوں میں انھیں موضوعِ گفتگو بنایا جائے گا اور سنجیدگی سے ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

(محمد رضی الاسلام ندوی)

نقوش سیرت نبویؐ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

ناشر: اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔ ۲۵، صفحات: ۱۹۲، قیمت: ۲۲۰/روپے

دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ لکھا جانے والا موضوع سیرت نبویؐ ہے۔ اس پر لاکھوں لوگوں نے اپنی تحریری جولانیاں دکھائی ہیں۔ ان میں دنیا کے ہر خطہ، ہر مذہب، ہر ملک اور ہر زبان کے لوگ شامل ہیں۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں سیرتِ نبویؐ پر مختلف زبانوں میں بے شمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت اس کا سلسلہ جاری رہے گا اور کیوں نہ ہو، سیرت نبویؐ، انسانوں کے لیے ایک کامل اور سدا بہار نمونہ ہے۔ آپؐ نے اپنی عملی زندگی سے انسانی زندگی کے ہر گوشے میں رہ نمائی کی ہے۔

'نقوش نظر سیر کتب نبوی' کے مصنف ہندوستان کے معروف اسکالر پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی ہیں۔ یہ کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ فاضل مصنف نے ملک و بیرون ملک میں منعقدہ مختلف سمیناروں اور کانفرنسوں میں سیرت رسول کے بعض گوشوں پر پیش کردہ مقالات کو افادۂ عام کی غرض سے مرتب کر کے تصنیف کی شکل دے دی ہے۔

اس کتاب میں سات (۷) مقالات شامل ہیں۔ ان میں بالخصوص معاشی اور معاشرتی زندگی میں اسوۂ نبویؐ اور سیرت میں حقوق انسانی کی اہمیت جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ابتدائی دو (۲) ابواب میں علم کو موضوع بنایا گیا ہے اور علم کی اہمیت، جامعیت اور ضرورت و افادیت پر گفتگو کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نفع بخش علوم سیکھنے کی طرف ترغیب دی گئی ہے اور غیر نافع علوم سے احتراز کا مشورہ دیا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے علم کا نفع بخش ہونا اس پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک اپنے مقاصد کو پورا کر رہا ہے۔ (ص ۲۲) عہد نبویؐ میں رائج نظام تعلیم کا بھی تفصیل سے تعارف کرایا گیا ہے۔

اگلے دو ابواب (سوم و چہارم) معاشرت سے متعلق ہیں۔ ان میں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کی روشنی میں آدابِ معاشرت کا بیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا رہن سہن، آپ کا لوگوں کے ساتھ برتاؤ، صحابہ سے تعلقات و معاملات اور آپؐ کی روز مرہ کی زندگی کو صحیح احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ خانگی اور معاشرتی زندگی میں اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت مبارکہ سے جو رہ نمائی ملتی ہے اسے بھی خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں مصنف نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے معاشی پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ آپؐ کی معاشی مصروفیات کیا تھیں؟ تجارت میں لوگوں کے ساتھ آپؐ کے معاملات کیسے تھے؟ لین دین میں کن باتوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے؟ اور عصر حاضر کے معاشی مسائل کو آپؐ کی حیاتِ طیّبہ کی روشنی میں کیسے حل کیا جا سکتا ہے؟ ان تمام پہلوؤں پر فاضل مصنف نے اسوۂ نبویؐ کی روشنی میں مدلل بحث کی ہے۔

چھٹا باب 'خطبۂ حجۃ الوداع' کے موضوع پر ہے۔ یہ کتاب کا سب سے اہم اور قیمتی باب ہے۔ اس میں مصنف نے دلائل کے ساتھ یہ واضح کیا ہے کہ خطبۂ حجۃ الوداع اصلاً حقوق انسانی کا عالمی منشور ہے۔ کوئی دوسرا منشور یا دستور اس سے بڑھ کر انسانی حقوق کو تحفظ دینے والا اور انسان کو عزت و احترام کے مقام پر فائز کرنے والا نہیں ہے۔ (ص ۱۵۵)

کتاب کا آخری اور ساتواں باب 'اوراق سیرت' کے تجزیاتی مطالعہ پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب معروف عالم دین مولانا سید جلال الدین عمری کی بیش قیمت تصنیف ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ کس طرح یہ کتاب سیرت کے موضوع پر ایک نایاب تصنیف ہے، جسے روایتی انداز میں تالیف نہیں کیا گیا، بلکہ مختلف اوقات میں لکھے گئے مضامین کو اس سلیقہ سے مرتب کیا گیا ہے کہ ایک مستقل اور مربوط تالیف بن گئی ہے۔ (ص ۱۵۸)

کتاب میں حسب ضرورت ذیلی عناوین قائم کیے گئے ہیں، جس سے قاری کو دوران مطالعہ میں کسی بات کو سمجھنے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ زبان سلیس استعمال کی گئی ہے اور بھاری بھرکم الفاظ اور جملوں کے استعمال سے گریز کیا گیا ہے، جس نے کتاب کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ ہر باب کے آخر میں حواشی درج ہیں۔ فاضل مصنف نے جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے، آخر میں کتابیات کے تحت ان کی فہرست درج کر دی ہے۔

سیرت کے ذخیرے میں یہ کتاب ایک اہم اضافہ اور سیرت رسول ﷺ کے ممتاز پہلوؤں، خاص طور پر آپؐ کی معاشی، معاشرتی اور سماجی زندگی کا ایک حسین گل دستہ ہے۔ امید ہے، علمی حلقوں میں اسے قبول عام حاصل ہوگا اور اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

(محمد اسعد فلاحی)

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۶۵)

☆ مولانا سید جلال الدین عمری، امیر جماعت اسلامی ہند و صدر ادارۂ تحقیق کی تصانیف میں 'تجلیات قرآن' کا شمار ان کی اہم اور مقبول کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ قرآنی موضوعات پر ان کے مقالات کا مجموعہ ہے۔ حال میں اس کا نیا ایڈیشن مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے طبع ہوا ہے۔

☆ مولانا عمری کی کچھ کتابوں کے نئے ایڈیشن منظر عام پر آئے ہیں۔ خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت، صفحات: ، قیمت۔/۲۰ روپے، ہم تحریک کے کارکن کیسے بنیں؟ صفحات: ۲۴، قیمت۔/۱۸، اللہ کا دین نوجوانوں سے کیا چاہتا ہے؟ صفحات: ۱۶، قیمت۔/۱۰ روپے۔

☆ مؤرخہ ۲۰/ اگست کو ادارہ کے کانفرنس ہال میں پروفیسر مسعود احمد نے 'ختم نبوت کا قرآنی تصور' کے موضوع پر توسیعی خطبہ دیا۔ پروگرام کی صدارت پروفیسر احتشام احمد ندوی نے فرمائی۔ مسلم یونی ورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ پروگرام کی نظامت رکن ادارہ مولانا کمال اختر قاسمی نے کی۔

☆ ۱۷/ اگست کو ادارہ کے زیر تربیت اسکالرس کی انجمن 'رائٹرس فورم' کا پروگرام منعقد ہوا، جس میں ادارہ کے سابق اسکالر جناب محمد اعظم قاسمی نے 'عالمی مذاہب میں تصوف کا تصور' کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔ اس میں مسلم یونی ورسٹی کے مختلف شعبوں سے وابستہ ریسرچ اسکالرس نے شرکت کی۔

☆ مؤرخہ ۲۳۔ ۲۴/ ستمبر کو ادارہ کے سابق رکن مرحوم 'مولانا سلطان احمد اصلاحی کی حیات اور علمی وفکری جہات' پر انجمن طلبۂ قدیم، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ (شاخ علی گڑھ) کے زیر اہتمام Resedential Coaching Academy کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوا۔ صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری نے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ پیش کیا۔ سکریٹری ادارہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے 'مولانا سلطان احمد اصلاحی اور ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی' کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ انھوں نے ایک اجلاس کی صدارت بھی کی۔ ارکانِ ادارہ نے بھی سمینار میں شرکت کی۔ مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'مولانا سلطان احمد اصلاحی ایک محقق، ایک مفکر' مولانا کمال اختر قاسمی نے 'اسلام کا تصور مساوات۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی کی ایک عظیم کاوش' اور جناب مجتبیٰ فاروق نے 'مولانا سلطان اصلاحی اور سماجی مسائل کا مطالعہ، کے عناوین پر

مقالات پیش کیے۔

☆ صدر ادارہ مولانا سید جلال الدین عمری کی علی گڑھ آمد کے موقع پر ۲۳ ستمبر کو ادارہ کے ارکان اور اسکالرس کے ساتھ ان کی نشست ہوئی، جس میں مولانا نے اپنے قیمتی مشوروں اور نصائح سے نوازا۔

☆ HITEC University Taxila پاکستان کی جدید جامعات میں سے ہے۔ ۲۰۰۷ء سے اس میں تعلیم وتحقیق کا آغاز ہوا۔ انجینیر نگ، کمپیوٹر سائنس، ریاضیات اور اسلامک اسٹڈیز کے شعبے قائم ہیں۔ ایم اے اور پی ایچ ڈی کے پروگرام چل رہے ہیں۔ شعبہ اسلامک اسٹڈیز نے تین زبانوں (اردو، عربی، انگریزی) پر مشتمل ایک شش ماہی تحقیقی جرنل HITEC Islamics نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ سکریٹری ادارہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کو اس کی مجلس مشاورت میں شامل کیا گیا ہے۔

قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

قرآنِ کریم میں اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کے حالات پر بہت تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات، ان کی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی تفصیلات اور ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے دی جانے والی سزاؤں اور تنبیہوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

اہلِ کتاب کے اس مفصل تذکرہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں مسلمانوں کے لیے عبرت ونصیحت کے کون سے پہلو ہیں؟ اور اس سے انہیں کیا رہ نمائی ملتی ہے؟ اس کتاب میں ان موضوعات سے بحث کی گئی ہے۔

کتاب پر مولانا سید جلال الدین عمری کا مسبوط اور دقیق مقدّمہ بھی ہے۔

عمدہ کاغذ، آفسیٹ کی حسین طباعت، دیدہ زیب سرورق، صفحات: ۲۹۶ قیمت =/۷۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ ۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵

'تحقیقات اسلامی' پر تحقیق

ادارۂ تحقیق و تصنیف علی گڑھ کا ترجمان سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' جنوری ۱۹۸۲ء سے نکلنا شروع ہوا۔ الحمد اللہ اس شمارے کے ساتھ اس کا چھتیسواں (۳۶) سال مکمل ہو رہا ہے اور اس کے ایک سو چوالیس (۱۴۴) شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ اس طویل عرصے میں کبھی ایک شمارے کا بھی ناغہ نہیں ہوا اور کوئی مشترکہ شمارہ طبع نہیں ہوا۔ اسی طرح اس نے کبھی معیار سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ اس میں شائع ہونے والے متعدد مقالات کتابی صورت میں شائع ہوئے اور بہت سے مقالات کو دیگر رسائل و مجلّات نے اپنے صفحات میں جگہ دی۔ الحمدللہ ہندو پاک کے معتبر اصحابِ قلم کا اسے تعاون حاصل ہے اور اس کا شمار اسلامیات کے اعلیٰ معیاری تحقیقی مجلّات میں ہوتا ہے۔ اس مجلّے کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ غالباً سب سے پہلے وہ انٹرنیٹ پر آیا اور اس کے تمام شمارے انٹرنیٹ پر اپ لوڈ ہیں۔ اسے tahqeeqat.net پر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ بات بڑی خوش آئند اور وابستگان کے لیے اطمینان بخش ہے کہ مجلہ تحقیقات اسلامی پر تحقیق کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور ہندو پاک میں اس پر کئی تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے کی ضروری تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے:

۱۔ اشاریے:

تحقیقات اسلامی کا پہلا اشاریہ، جو ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۷ء تک کے شماروں پر مشتمل تھا، 'تحقیقات اسلامی کے سولہ (۱۶) سال' کے عنوان سے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کے جرنل (۱۹۹۸ئ) میں شائع ہوا۔ دوسرا اشاریہ، جو پچیس سال کے شماروں پر مشتمل تھا، تحقیقات اسلامی، اکتوبر ۲۰۰۶ء کے شمارے میں طبع ہوا۔ یہ دونوں اشاریے ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کے تیار کردہ ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جناب شاہد حنیف صاحب (لاہور)، جنھوں نے ہندو پاک کے تقریباً چالیس (۴۰) اہم رسائل و مجلّات کے اشاریے تیار کیے ہیں، انھوں نے تحقیقات اسلامی کا پینتیس (۳۵) سال کا اشاریہ تیار کیا ہے۔ یہ ابھی منتظر اشاعت ہے۔

۲۔ ڈیجیٹل اشاریہ:

جناب رؤوف احمد صاحب، لائبریرین، ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد (پاکستان) نے تحقیقات اسلامی کے پینتیس (۳۵) برسوں (۱۹۸۲ئ۔ ۲۰۱۶ئ) کے ایک سو چالیس (۱۴۰) شماروں کا ڈیجیٹل کلکشن تیار کیا ہے۔اس میں عناوین، مصنفین اور موضوعات کے اعتبار سے سرچ کی سہولت موجود ہے۔ اس میں مطلوبہ مقالہ کو ڈاؤن لوڈ کرنے کی بھی سہولت ہے۔ اس سے استفادہ کے خواہش مند پہلے اسے اس لنک سے ڈاؤن لوڈ کریں exported_TII.rar، پھر اسے extract کرکے readme فائل کو فالو کریں۔ کوئی دشواری پیش آئے تو جناب رؤوف احمد صاحب سے س نمبر پر رابطہ کریں:+92-334-5453551

۳۔ تراجم:

جناب عبدالودود صاحب نے ۲۰۱۵ء میں ڈاکٹر فہیم الدین احمد کی نگرانی میں شعبۂ ترجمہ، اسکول برائے السنہ، لسانیات و ہندوستانیات، مولانا آزاد نیشنل اردو یونی ورسٹی، حیدرآباد سے تحقیقات اسلامی میں مطبوعہ تراجم پر تحقیق کی ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان ہے: 'سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع شدہ تراجم کا تجزیاتی مطالعہ'۔ اس پر انھیں ایم فل کی ڈگری تفویض کی گئی۔

۴۔ علوم اسلامیہ میں خدمات:

جناب کاشف رضا صاحب نے ۲۰۱۵ء میں پروفیسر ڈاکٹر شیر علی کی نگرانی میں جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد (پاکستان) کے تحت 'تحقیقات اسلامی کی خدمات کا تجزیاتی مطالعہ' کے عنوان سے مقالہ تیار کیا ہے۔ اس پر انھیں ایم فل (علوم اسلامیہ) کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔

۵۔ قرآنیات:

جناب مدثر بشیر، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف سرگودھا (پاکستان) نے تحقیقات اسلامی میں قرآنی موضوعات پر شائع شدہ مقالات کو اپنی تحقیق و تجزیہ کا موضوع بنایا ہے۔ وہ 'مجلہ تحقیقات اسلامی کے قرآنی مقالات کا تحقیقی جائزہ' کے عنوان سے ایم فل کا مقالہ تیار کر رہے ہیں۔

۶۔ تحقیقی مجلّات میں تحقیقات اسلامی کا امتیاز:

جناب سعید الرحمن، شعبۂ علوم اسلامیہ، عبد الولی خاں یونی ورسٹی (گارڈن کیمپس) مردان (پاکستان) نے برصغیر ہندو پاک کے اہم علمی و تحقیقی مجلّات کو اپنے مطالعہ و تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔ ان کے مقالے کا عنوان ہے: 'پاک و ہند کے منتخب اردو اسلامی جرائد کی نمایاں خصوصیات اور بنیادی مناہج کا علمی و تجزیاتی مطالعہ'۔ اس پر انھیں ۲۰۱۴ء میں ایم فل (علوم اسلامیہ) کی ڈگری تفویض کی گئی۔ انھوں نے 'تحقیقات اسلامی' کا خصوصیت سے تذکرہ کیا ہے اور اس کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے۔ لکھا ہے:

> ''تحقیقات اسلامی کا شمار برصغیر پاک و ہند کے قدیم و ضخیم اور اسلامیات کے معروف و معتبر مجلّات میں ہوتا ہے۔ یہ اساسی طور پر جماعت اسلامی کی فکر کا حامل، مگر مسلکی اختلافات و تنازعات سے مبرا، سنجیدہ نوعیت کا منفرد اور وقیع مجلہ ہے، جو علوم اسلامیہ سے متعلق قدیم و جدید ہمہ گیر موضوعات و مسائل کو معروضی انداز میں زیر بحث لاتا ہے۔۔۔۔ تمام تحریرات میں قدر مشترک اسلامی نقطۂ نظر اور علمی طرز زبان و بیان ہے۔ مجلہ کا بنیادی منہج اس میں شامل اشاعت مستقل اور مبسوط مقالوں اور مختصر و مفصل تبصروں کے اعتبار سے فکری، علمی، تحقیقی اور تنقیدی ہے''۔ (ص ۲۵۶)

اس تفصیل سے تحقیقات اسلامی کی علمی حلقوں میں مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دعا ہے کہ یہ علمی کاوشیں مستقبل میں بھی جاری رہیں۔ (ادارہ)

وقت کے ایک اہم اور زندہ موضوع پر قابلِ قدر تصنیف

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں؟ یہ آج کا ایک اہم اور زندہ موضوع ہے۔ کیا اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسروں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیتا ہے؟ کیا اس میں مذہبی رواداری، تحمل و برداشت اور توسع نہیں پایا جاتا ہے؟ اسلام کے نزدیک غیر مسلموں سے خاندانی، معاشرتی، سماجی، کاروباری اور ازدواجی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں کو سلام، مساجد میں ان کا داخلہ اور ان سے تحائف کے تبادلہ کا کیا حکم ہے؟ کیا مسلمانوں کے معاملات میں ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے؟ اسلامی ریاست کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور اس پر کیا اعتراضات کیے جاتے ہیں؟ جہاد کیا ہے اور اس کے احکام کیا ہیں؟ ذمیوں کے کیا حقوق ہیں؟ اسلامی ریاست کے بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ غیر مسلموں سے عدم تعلق کی ہدایات کا صحیح پس منظر کیا ہے؟ یہ چند ایسے اہم مسائل ہیں جن کا جدید ذہن اطمینان بخش جواب چاہتا ہے۔

کتاب میں اس نوع کے تمام مباحث پر قرآن وحدیث کی روشنی میں اور مستند مفسرین، محدثین اور فقہاء کے حوالوں کے ساتھ عالمانہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے پس منظر میں اس کی خصوصی اہمیت ہے اور دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی بھی یہ ایک اہم ضرورت ہے۔

مصنف کی نظر ثانی کے بعد جدید ایڈیشن، آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، خوب صورت جلد، صفحات: ۳۲۰، قیمت: ۱۸۵/- روپے

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۳۶، ۲۰۱۷ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
خدمت خلق۔ دینی نقطۂ نظر سے	سید جلال الدین عمری	۱	۵۔۱۲
اسلام کا عائلی نظام۔ رحمت ہی رحمت	سید جلال الدین عمری	۲	۱۳۳۔۱۴۴
خطاب عید	سید جلال الدین عمری	۳	۲۶۱۔۲۶۸
موجودہ حالات میں اسلام کی رہ نمائی	سید جلال الدین عمری	۴	۳۸۹۔۳۹۶
تحقیق وتنقید			
مکی دور کی احادیث۔ سیرت ابن اسحاق میں (۱)	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱	۱۳۔۳۴
علم الکلام سے اشتغال: جائز یا ناجائز؟	محترمہ نعمانہ خالد	۱	۳۵۔۴۸
احمدیوں کی تفاسیر کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر محمد عمران	۱	۴۹۔۷۴
مکی دور کی احادیث۔ سیرت ابن اسحاق میں (۲)	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۲	۱۴۵۔۱۷۶
علم الفتن: معنیٰ ومفہوم اور آغاز وارتقائ	جناب محمد امجد خاں	۳	۳۶۹۔۲۸۶
مکی دور کی احادیث۔ سیرت ابن اسحاق میں (۳)	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۳	۲۸۷۔۳۱۶
پکتھال کے ترجمۂ قرآن پر ایک نظر	پروفیسر عبدالرحیم قدوائی	۴	۳۹۷۔۴۰۶
برصغیر ہند میں علم حدیث کے ابتدائی نقوش	محترمہ ثناناز	۴	۴۰۷۔۴۲۴
مصادر سیرت میں 'زادالمعاد' کا مرتبہ	ڈاکٹر سید عبدالباری	۴	۴۲۵۔۴۴۰
بحث ونظر			
عظمت قرآن کے بعض پہلو	پروفیسر مسعود احمد	۱	۷۵۔۸۸
اسلام کا قانون ومحنت واجرت	پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی	۱	۸۹۔۱۰۹
(مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کا تجزیاتی مطالعہ)			
سیاست شرعیہ: مفہوم، مقصد اور دائرہ کار	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲	۱۷۷۔۱۹۸
(امام ابن تیمیہ کے افکار کی روشنی میں)			
نظریۂ وحدت ادیان کا جائزہ	محترمہ رمیصاء مریم	۲	۱۹۹۔۲۲۴
غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کے حدود	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۱۷۔۳۳۲

صرف دولت کے اسلامی اصول وآداب	ڈاکٹر سعدیہ گلزار	۳	۳۳۳_۳۵۲
علامہ ابن تیمیہ کا منہج اصلاح وتربیت	ڈاکٹر محمود احمد	۴	۴۴۱_۴۷۶

سیر وسوانح

ابن فورک اوران کی تصنیف 'مشکل الحدیث'	حافظ نصیر احمد	۲	۲۲۵_۲۴۰
ولید الاعظمی ۔ عالم عرب کا اسلام پسند شاعر	جناب ابوسعد اعظمی	۳	۳۵۳_۳۷۲

تعارف وتبصرہ

عظیم ہندوستانی مذاہب (ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی)	مولانا عبدالحی اثری	۱	۱۱۱_۱۱۳
علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات [جلد اول] (مولانا محمد فرقان ندوی)	ڈاکٹر عبدالرحمن فلاحی	۱	۱۱۳_۱۱۵
حدائق الریحان (ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی)	ڈاکٹر عبدالرحمن فلاحی	۱	۱۱۵_۱۱۷
الدین [سالانہ مجلہ] (مدیر محمد اسماعیل فلاحی)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۷_۱۱۸
جمع وتدوین قرآن (حافظ محمد عبدالقیوم)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۱_۲۴۲
فقہی مقالات (مولانا ولی اللہ مجید قاسمی)	مولانا عبدالحی اثری	۲	۲۴۲_۲۴۵
الشعر العربی فی الہند (ڈاکٹر الطاف احمد مالانی)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۴۵_۲۴۶
مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل (ذکی الرحمن فلاحی مدنی)	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۷۳_۳۷۴
عربی زبان میں خودنوشت سوانحی ادب کا ارتقائی	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۷۵_X
جہاد اور روح جہاد	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۴	۴۸۷_۴۹۲
نقوش سیرت نبویؐ	جناب محمد اسعد فلاحی	۴	۴۹۳_۴۹۴

خبرنامہ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی (۶۲) ادارہ ۱ ۱۱۹_۱۲۰

"	"	(۶۳)	"	۲	۲۴۷_۲۴۸
"	"	(۶۴)	"	۳	۳۷۶_X
"	"	(۶۵)	"	۴	۴۹۵_۴۹۶

'تحقیقات اسلامی' پر تحقیق " ۴ ۴۹۷_۵۰۰

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جلد ۳۶، ۲۰۱۷ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اثری، عبدالحی	فقہی مقالات (مولانا ولی اللہ مجید قاسمی)	۲	۲۴۲_۲۴۵
‘‘	عظیم ہندوستانی مذاہب (ڈاکٹر تو قیر عالم فلاحی)	۱	۱۱۱_۱۱۳
اصلاحی، ظفر الاسلام	اسلام کا قانون و محنت و اجرت (مولانا مجیب اللہ ندوی کی تصنیف کا تجزیاتی مطالعہ)	۱	۸۹_۱۰۹
اعظمی، ابوسعد	ولید الاعظمی۔ عالم عرب کا اسلام پسند شاعر	۳	۳۵۳_۳۷۲
امجد خاں، محمد	علم الفتن: معنیٰ و مفہوم اور آغاز و ارتقائ	۳	۲۶۹_۲۸۶
انوار حسین	مباحثِ ‘نہی’۔ فقہاء و متکلمین کی کتبِ اصول میں	۴	۴۷۷_۴۸۶
ثنا ناز	برصغیر میں علم حدیث کے ابتدائی نقوش	۴	۴۰۷_۴۲۴
رمیصاء مریم	نظریۂ وحدت ادیان کا جائزہ	۲	۱۹۹_۲۲۴
سعدیہ گلزار	صرف دولت کے اسلامی اصول و آداب	۳	۳۳۳_۳۵۲
صدیقی، محمد یٰسین مظہر	مکی دور کی احادیث۔ سیرت ابن اسحاق میں (۱)	۱	۱۳_۳۴
‘‘ ‘‘	‘‘ ‘‘ (۲)	۲	۱۴۵_۱۷۶
‘‘ ‘‘	‘‘ ‘‘ (۳)	۳	۲۸۷_۳۱۶
عبدالباری، سید	مصادرِ سیرت میں ‘زاد المعاد’ کا مرتبہ	۴	۴۲۵_۴۴۰
عمری، سید جلال الدین	اسلام کا عائلی نظام۔ رحمت ہی رحمت	۲	۱۳۳_۱۴۴
‘‘ ‘‘	خدمت خلق۔ دینی نقطۂ نظر سے	۱	۵_۱۲
‘‘ ‘‘	خطاب عید	۳	۲۶۱_۲۶۸
‘‘ ‘‘	موجودہ حالات میں اسلام کی رہ نمائی	۴	۳۸۹_۳۹۶
فلاحی، عبدالرحمن	حدائق الریحان (ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی)	۱	۱۱۵_۱۱۷
‘‘	علامہ سید سلیمان ندویؒ کے تفسیری نکات [جلد اول] (مولانا محمد فرقان ندوی)	۱	۱۱۳_۱۱۵

فلاحی، محمد اسعد	نقوشِ سیرت نبوی (ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی)	۴	۴۹۳ ـ ۴۹۴
قدوائی، عبدالرحیم	پکتھال کے ترجمۂ قرآن پر ایک نظر	۴	۳۹۷ ـ ۴۰۶
کریمی، محمد جرجیس	سیاست شرعیہ: مفہوم، مقصد اور دائرہ کار (امام ابن تیمیہ کے افکار کی روشنی میں)	۲	۱۷۷ ـ ۱۹۸
محمد عمران	احمدیوں کی تفاسیر کا تنقیدی جائزہ	۱	۴۹ ـ ۷۴
محمود احمد	علامہ ابن تیمیہ کا منہج اصلاح وتربیت	۴	۴۴۱ ـ ۴۷۶
مسعود احمد	عظمت قرآن کے بعض پہلو	۱	۷۵ ـ ۸۸
ندوی، محمد رضی الاسلام	غیر مسلموں کی تقریبات میں شرکت کے حدود	۳	۳۱۷ ـ ۳۳۲
‘‘	الدین [سالانہ مجلہ] (مدیر: محمد اسماعیل فلاحی)	۱	۱۱۷ ـ ۱۱۸
‘‘	جمع وتدوین قرآن (حافظ محمد عبدالقیوم)	۲	۲۴۱ ـ ۲۴۲
‘‘	الشعر العربی فی الہند (ڈاکٹر الطاف احمد مالانی)	۲	۲۴۵ ـ ۲۴۶
‘‘	مسلم اقلیتوں کے شرعی مسائل (ذکی الرحمن فلاحی)	۳	۳۷۳ ـ ۳۷۴
‘‘	عربی زبان میں خودنوشت سوانحی ادب کا ارتقائ	۳	۳۷۵ ـ X
‘‘	جہاد اور روحِ جہاد (محمد عنایت اللہ اسد سبحانی)	۴	۴۸۷ ـ ۴۹۲
نصیر احمد	ابن فورک اور ان کی تصنیف ’مشکل الحدیث‘	۲	۲۲۵ ـ ۲۴۰
نعمانہ خالد	علم الکلام سے اشتغال: جائز یا ناجائز؟	۱	۳۵ ـ ۴۸

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (O)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 36 No.4

October - Desember 2017

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur), P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Guidance of Islam in the Present Situation**

   Syed Jalaluddin Omari 5

2. **A Glance at Pickthall's Translation of the Qur'an** 13

   Prof. Abdur Raheem Qidwai

3. **Initial Marks of Ilm-i-Hadith in the Indian Subcontinent** 23

   Ms Sana Naz

4. **The Position of Zad al-Ma'ad in Seerah Literature** 41

   Dr. Syed Abdul Bari

5. **Methodology of Imam Ibn e Taimiyya of Renewal and Reformation** 57

   Dr Mahmood Ahmad

6. **The Arguments of 'Nahi' in Books of Principles by Theologians and Experts of Ilm-i-Kalam** 93

   Mr Anwar Hussain

7. **Book Reviews** 103

8. **Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** 111

9. **Annual List of aretcles &writers** 117

Abstract of the Articles

The Guidance of Islam in the Present Situation

(Eid al-Adha Sermon)

Syed Jalaluddin Omari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

& Amir Jamaat-e-Islami Hind

Maulana Syed Jalaluddin Umari, Ameer Jamaat-e-Islami Hind, delivers Eid al-Fitr and Eid al-Adha sermons at Masjid Ishaat-e-Islam in the complex of Jamaat headquarters every year. People in large numbers from far and wide as well as adjoining areas throng there to listen to the sermons. In the sermon the Maulana delivered this Eid al-Adha, he said a lot to guide Muslims in the present difficult situation. He advised them to stand well acquainted with the prevailing situation and put courage and valour to service. Howsoever difficult the situation might be, they ought not be disappointed, rather keep patience and steadfastness. They ought to keep from sentimentalism, practise unity at the social level and put their differences to an end. It is their responsibility that they strengthen their relationship with Allah the Exalted and popularise the teachings of Islam

A Glance at Pickthall's Translation of the Qur'an

Professor Abdur Raheem Qidwai
Director Academic Staff College & Prof.Dept. of English
Aligarh Muslim University, Aligarh
Sulaim05@yahoo.co.in

British revert Muhammad Marmaduke Pickthall (1875-1936 C.E.) had the honour to present the translation of the Qur'an into English in 1930. Today the number of complete translation of the Qur'an into English is over 120. Despite this Pickthall's translation holds a distinguished position. Up till 1930 there were three kinds of translation of the Qur'an: misleading and mutilated translations of Orientalists, translations representing the misguided beliefs of Qadiyaniyat, and substandard translations by unknown Muslims. Pickthall's translation got huge popularity. It has been reprinted more than two hundred times in the various parts of the world. Moreover, this translation proved a torchbearer for future translators who benefited with it.

This article analyses Pickthall's translation of the Qur'an and presents its merits and also certain shortcomings.

Initial Marks of *Ilm-i-Hadith* in the Indian Subcontinent

Ms Sana Naz
Research Scholar, Dept. of Theology (Sunni)
Aligarh Muslim University, Aligarh
snaz987@gmail.com

Arabs had relations with India since the ancient time. Many Companions came here during the realm of the Rightly Guided Caliphs. Later on, when Muhammad bin Qasim conquered Sind, there were many learned persons in his army, who promoted Islamic knowledge and learning especially Ilm-i-Hadith. Among the Muhadditheen of the early period the names of Moosa ibn Yaqoob, Muhallab ibn Abi Sufra, Israil ibn Moosa, Rabea bin Sabeeh, Abu Ma'shar Sindhi, Raja' Sindhi, his son Muhammad ibn Raja' Sindhi and Shaikh Ismail Lahori are in particular worth mentioning. They held their Dars sessions, benefitted people with their sermons and also wrote books. The writers of history of Tadween-e-Hadith (compilation of Hadith) have acknowledged their services and tried to ascertain their position.

The Position of Zad al-Ma'ad in Seerah Literature

Dr. Syed Abdul Bari
Former President Idara Adab-i-Islami Hind

Thousands of books have been written on the

Prophet's Seerah, in the various languages of the world. But none of them could receive as much fame and importance as Allama Ibn al-Qayyim's Zad al-Ma'ad fi Had-i-Khair-il-Iba'ad. Allama Ibn al-Qayyim was one of the distinguished disciples of Allama Ibne Taimiyya. He was well versed in Tafsir, Hadith and Fiqh. In Zad al-Ma'ad he has mentioned the Ibadah, habits, dealings and battles of the Prophet (peace and blessings of Allah be to him).

This is a book par excellence as far as the jurisprudential style of Seerah is concerned. Turning the pages of Seerah, he says that the various aspects of Seerah have a lot of guidance for common Muslims. This book represents every aspect, including Fiqh, Seerah, Spirituality and Tasawwuf. It also throws light on the way of Tarbiyah of the Prophet (peace and blessings of Allah be to him).

This article introduces Zad al-Ma'ad in the light of Dr. Mahmood Ahmad Ghazi's book, Muhazaraat-e-Seerat and has tried to ascertain its position and worth in comparison to other books on Seerah.

Methodology of Imam Ibn-e-Taimiyya of Renewal and Reformation

Dr Mahmood Ahmad

Asst. Professor, Dept. of Islamic Studies & Arabic

Govt. College University, Faisalabad (Pakistan)

professorgcu@gmail.com

Ibn-e-Taimiyya (661-728/1263-1327) is one of the most dynamic and seminal personalities in the history of

Islam. Born in an age which was characterised by large numbers of distortions in the Muslim society, he struggled hard to revive the Muslim society through inward animation and re-interpretation of its values in the light of a new spirit of Ijtihad (interpretation of law) based on direct recourse to the Qur'an and the Sunnah. He came to be hailed as the Mujaddid of his age. His thought influenced not only his contemporaries in the Muslim heartlands but reached far beyond.

There are seven basic principles and rules adopted by Ibn e Taimiyya for reformation; all these are discussed in detail in this article. This article should guide the researchers and preachers to understand the method of reformation of religion, with the help of Ibn e Taimiyya's methodology of revival and reformation.

The Arguments of '*Nahi*' in Books of Principles by Theologians and Experts of Ilm-i-Kalam

Mr.Anwar Hussain
Research Scholar, Punjab University Lahore
Lecturer, Dept. of Islamic Studies
Imperial University, Lahore (Pakistan)
anwaarpu@gmail.com

Islam is a complete code of life, not merely a set of beliefs. Islamic principles of jurisprudence and Usool-i Fiqh like extracting results from the Qur'an and Sunnah in a

particular contemporary issue are a wonderful distinction of it. Through the principles of Usool-i Fiqh the jurisprudents (Fuqha'a) present the solution of a particular problem in the light of the Qur'an and Sunnah. The discussion of 'Nahi' and its role is very important in the rules of extracting laws. This article will help to comprehend the role and importance of Nahi, its types and ways of implementation respectively, and this discussion is also a comparison between Fuqha'a and Mutakalameen in paradigm of discussion about Nahi.

BOOK REVIEWS

1. Jihad aur Roohe Jihad(Jihad and Spirit of Jihad), Muhammad Inayatullah Asad Subhani , Hidayat Publishers & Distributors New Delhi-25, ;2017,Pages: 384; Price: IRs. 300/-

Reviewed by Muhammad Raziul Islam Nadvi

2. Nuqushe Sirate Nabwi (Glimpses of thr Prophet's Seerah), Dr. Zafarul Islam Islahi ,Islamic Book Foundation , New Delhi-2 ; 2017; Pages: 192; Price: IRs. 200/-

Reviewed by Mr.Muhammad Asad Falahi

ڈائریاں اور کیلنڈر 2018

شب وروز (ڈائری) عام اور ڈیلکس ایڈیشن

• ہر صفحے پر قرآنی آیات واحادیث رسولؐ، انبیاء کرام، صحابہ عظام اور بزرگان سلف کے سبق آموز اقوال، معتبر شعرا کے تعمیری اور فکر انگیز اشعار • شروع وآخر کے ۳۵ صفحات پر اہم ودل چسپ معلومات • مسنون دعائیں • خطبات جمعہ ونکاح، قربانی، عقیقے، نماز جنازہ اور استخارے کی ماثورات • نقشہ اوقات نماز • اہم سفارت خانے • جماعت اسلامی ہند کے مرکزی وصوبائی دفاتر • ہر ماہ کا Index اور Planner • لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے مسلم ممبران کے پتے کے علاوہ بہت ساری دوسری معلومات سے مزین ایک دل چسپ ومفید ڈائری۔
صفحات: ۴۱۶ نفیس کاغذ، مضبوط ریکسین کور، کور پر ربن لگا ہوا ڈیلکس بائنڈنگ۔

اسلامی ڈائری (پاکٹ سائز)

• ہر صفحہ قرآنی آیات، احادیث رسولؐ، بزرگوں کے اقوال اور بزرگ وتعمیر پسند شعرا کے تعمیری وفکر انگیز اشعار سے مزین
• ۲۵ صفحات پر مشتمل اہم اور ضروری معلومات • کل صفحات: ۲۰۸ نفیس اور عمدہ کاغذ۔

کیلنڈر

• چار رنگوں پر مشتمل سفید آرٹ پیپر پر نفیس طباعت
• ہر صفحے پر منتخب قرآنی آیات کے دل کش طغرے
• اردو، ہندی اور انگریزی تراجم کے ساتھ ایک دیدہ زیب کیلنڈر
• 15X20 سائز میں ۳ ورقی دوطرفہ طباعت، طغرے، مسجد اور خوب صورت قدرتی مناظر اور ہر مہینے کی تاریخیں نمایاں حروف میں۔

نوٹ

• اسلامی کیلنڈر اور شب وروز ڈائری پر اپنے ادارے کا نام چھپوانے کے لیے ۱۵ر اکتوبر ۲۰۱۷ تک تفصیلات لازماً ارسال فرمادیں۔ شب وروز اور کیلنڈر کے لیے کم از کم مطلوبہ تعداد بالترتیب 100 اور 1000 ہے۔

سب ڈپو سے رابطہ کے لیے

بنگلور : 080-26701306
حیدرآباد : 040-66710339
ممبئی : 09890421345
گوا : 09822163132

MMI PUBLISHERS | مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307,Dawat Nagar,Abul Fazal Enclave,Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26981652, 26984347 **Mob:** 9971837957, 9579018971, 9891106014
E-mail: mmipublishers@gmail.com • **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-8881854504
+91-9897746586

October 2017

December 2017

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیات قرآن	۳۲۵/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/
۸	اسلام کی دعوت	۲۰۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/
۱۱	تہذیب و سیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۱۸۰/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۱۰۰/
۱۴	عورت اور اسلام	۶۰/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۹۰/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۳۵/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۲/
۱۸	اسلام-ایک دین دعوت	۱۰/
۱۹	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/
۲۰	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۲۱	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۸/
۲۲	اوراق سیرت	۲۵۰/
۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/
۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۳۵/
۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، مقدمات اور طریق کار	۳۵/
۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۵/
۳۵	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/
۳۷	بچے اور اسلام	۱۰/
۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۵/
۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵